جلد ۹۶ نومبر ۱۹۸۱ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس :

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اسلامی انقلاب کے چار مراحل :

دعوت و تبلیغ ○ تنظیم و تربیت

ہجرت و اجتماعیت ○ جہاد و انقلاب

حضورِ اکرم ﷺ اور ہجرت

از : سیّد اسعد گیلانی

○ یہ کتاب آپ کو رسولِ اکرمؐ کی داستانِ ہجرت سے روشناس کراتی ہے۔

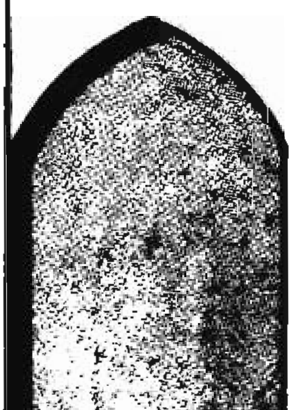
● یہ اسلامی انقلاب کے نہایت اہم مرحلے سے متعارف کراتی ہے۔

○ وہ مرحلہ جو کھرے کو کھوٹے اور وفادار کو بے وفا سے جُدا کر دیتا ہے۔

یہ کتاب اسی مرحلے کی داستانِ دل پذیر اور انقلابی تربیت کا نقشہ پیش کرتی ہے

ضخامت : ۲۱۲ صفحات ○ قیمت : -/۲۰ روپے

☼ اس کتاب کے بغیر آپ کی لائبریری میں اب تک عظیم خلاء تھا
اس علمی خلاء کو پُر کیجیے !



ادارہ ترجمان القرآن ○ اچھرہ - لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۶ | نومبر ۱۹۸۱ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۲ھ | عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر ———— ۴۱۰۳۱۶

زر سالانہ تیس روپے - فی پرچہ - /۳ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

حج کے مبارک سفر سے سعادتوں کے ساتھ واپس آنے والے خوش قسمت برادران کے لیے دیدہ و دل فرش راہ۔ آپ کا حج اور آپ کی آمد آپ کے خاندان کے لیے، آپ کی قوم اور معاشرے کے لیے اور سارے عالم انسانیت کے لیے مبارک ہو!

مگر محترم بزرگو اور عزیز بھائیو! کیا آپ نے حج کو اچھی طرح جانا اور سمجھا بھی؟ اس کا چہرہ دیکھا؟ اس کے خدوخال کو پہچانا؟ اس سے جو کچھ لینا تھا لیا؟ آپ اپنے ساتھ، اپنے اور دوسروں کے لیے کیا لے کر آئے؟ حج نے آپ سے کچھ باتیں کیں؟ اس نے کوئی پیغام آپ کو ودیعت کیا؟ یا آپ صرف آب زم زم، کھجوریں، جانمازیں اور تسبیحیں لے کر آگئے؟ یا آپ کی توجہ اصل شئے مطلوب کے بجائے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، قیمتی پارچہ جات اور پھلوں کا رس نچوڑنے والی مشینوں پر مرتکز رہی؟

یہاں پہنچتے ہی آپ استقبالوں کے چکروں میں کھو گئے ہوں گے۔ آپ کی گردن ہاروں کے بوجھ سے لد گئی ہو گی۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد دیگیں پکی ہوں گی اور خاندان کے لوگ اور ملنے جلنے والے دفتری یا کاروباری احباب مبارک باد پہنچانے اور دعائیں کرانے کے لیے خوب ہجوم کر کر کے آئے ہوں گے۔ آپ کی کتنی دعوتیں کی گئی ہوں گی۔ پھر دو دو، تین تین ماہ سے رکے ہوئے مسائل نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہوگا۔ اور آپ کو یہ سوچنے کا موقع بھی نہ ملا ہوگا کہ میں حج کر کے آیا ہوں اور اب مجھے ایک نئے دور کا آغاز کرنا ہے۔ جو آپ کے بعد آئیں گے، اُن پر بھی یہی گزرے گی۔

بہت سے حاجی ہیں جو اگرچہ ہمیشہ حاجی کہلائیں گے، مگر وہ اپنے حج سے دور ہوتے جاتے ہیں، جس دنیا کے مفادسے وہ کچھ دیر کے لیے الگ ہوئے تھے، وہ پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ اُن کے گرد

اپنا گھیرا تنگ کرتی ہے، جن جھگڑالوؤں کو وہ اپنے ذہن سے نوچ کر پھینک چکے تھے وہ از سرِ نو ان کو پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ دبوچ لیتے ہیں۔

اصل میں بات بڑی نازک سی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان کو اذان کی آواز سخت ناپسند ہے۔ اور وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اس سے بھاگتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ جب کسی شخص کو خدا کے سامنے سربسجود دیکھتا ہے تو اسے بہت ناگوار ہوتا ہے۔ ان اشاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس قوت کا نام شیطان یا ابلیس ہے۔ وہ انسان کی ہر عبادت اور نیکی سے بیزاری رکھتی ہے۔ خصوصاً حج جیسی عظیم عبادت سے جو شخص گزر کر آ رہا ہے، اس کا نام تو درخواست دینے کے دن سے ہی ابلیسی نظام کی لال کتاب میں درج ہو گیا۔ اور لازم ہے کہ اس کی شدید نگرانی کی جانے لگے۔ اور ہر روز اس کی ڈائری لکھی جاتی ہو اور اس کے متعلق کارندوں کو احکام اور ہدایات جاری ہوں کہ کہاں کہاں کیسے کیسے اس آدمی کو خراب کیا جا سکتا ہے۔ شیاطینِ جن سے زیادہ ذمہ داریاں شیاطینِ انس کے سر ہوتی ہیں اور یہ اپنا کام دن رات جاری رکھتے ہیں۔ کچھ محبوب اور عزیز لوگ، کچھ کاروبار کے ساتھی، کچھ دفتروں کے ہم نشیں، کچھ گاؤں اور محلے کے خیر خواہ، کچھ دنیوی معاملات میں مشورے دینے والے، کچھ دین میں نئے نئے شگوفے نکالنے والے، کچھ قصیدہ خوان، کچھ خوشامدی، کچھ خدمت کیش! —— اور ان معتمد اور بے تکلف افراد کے ذہنوں میں ابلیسیت اپنی کمین گاہیں بنا کے بیٹھی ہوتی ہے اور جب کوئی مناسب مرحلہ آتا ہے تو وہ اپنا تیر چلا دیتی ہے۔ گویا یوں بھی ہر آدمی کے گرد ایک طاغوتی "گارد" متعین رہتی ہے، لیکن اگر شیطانی نظام کسی شخص کو "خطرناک" قرار دے کر درج فہرست کر لے تو پھر گھیرا ڈالنے والی گارد کو بھی زیادہ چوکس کر دیا جاتا ہے اور کچھ چھاپہ مار بھی خودی کو قتل اور ایمان کو مجروح کرنے کے لیے مامور کر دیے جاتے ہیں۔

بس اسے حاجیِ حرمین شریفین! ہوشیار!!

حج فی الواقع بہت بڑی عبادات ہے اور بہت سی عبادات کی جامع!

حج میں ہجرت کا رنگ بھی شامل ہے، اور جہاد کا اسلوب بھی۔ بار بار سفر بھی فی سبیل اللہ اور قیام بھی فی سبیل اللہ۔ اس میں ذکر و دعا بھی ہے اور رکوع و سجود بھی۔ مزدلفہ کی رات کی خاموش عبادت بھی اور لاکھوں کے مجمع میں یوم عرفہ کا خطبہ بھی۔ احرام کی کفن نما پوشش بھی ہے اور عید کا خوش آئند لباس بھی۔ وہاں آنسوؤں کی جھڑیاں بھی ہیں اور مسکراہٹوں کی کلیوں کی لڑیاں بھی۔ آدمی بیک وقت وہاں یہ ہمہ بھی ہوتا ہے اور با ہمہ بھی۔ تھوڑی دیر کے لیے ترکِ دنیا بھی ہوتا ہے اور پھر نئی شخصیت کے ساتھ فاتحانہ شان سے دنیا کے دروازے پہ دستک بھی دیتا ہے۔ وہاں ملنے والوں سے جدا ہو کے جاتے ہیں، اور کئی بچھڑے ہوئے لوگ وہاں اچانک مل جاتے ہیں۔ حاجی کا محدود خاندان چھوٹ جاتا ہے، مگر وہ ایک نئے عالمی خاندان کا فرد بن جاتا ہے۔ بے شمار قبیلے اس کے اپنے بن جاتے ہیں، کتنے ممالک اسے اپنے ملک لگنے لگتے ہیں، مختلف بولیوں میں وہ ایک ہی جیسے معانی جھلملاتے دیکھتا ہے۔ وہ چربچوں جیسی تنگ عصبیتوں اور تالاب جیسی محدود قومیت سے آگے بڑھ کر وحدت کے ایک سمندر میں شامل ہو جاتا ہے۔

حاجی جب اللہ اکبر کہتا ہے تو وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے دل سے مان لیا کہ خدا ساری قوتوں سے بڑی قوت ہے اور اس کا دین برتر ہے اور اس کا قانون سب سے فائق ہے، اس کا اقتدار سب پر غالب ہے اور اس کا حکم ہر طرف جاری و ساری ہے۔ وہ جب لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہتا ہے تو دراصل اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے کہ میں آپ کی پکار پہ حاضر ہوں اور عمل سے اقرار کرتا ہے کہ جدھر آپ بلائیں گے، ادھر مجھے حاضر پائیں گے، جدھر سے آپ ہٹائیں گے میں ادھر سے ہٹ جاؤں گا۔ پھر اپنے احرام سے وہ یہ گواہی دیتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو موت کے اس خط پر کھڑا کر دیا ہے جس سے مجھے ایک نہ ایک دن آگے جانا ہے، اور زندگی کا حساب پیش کر کے جزا و سزا سے حصہ پانا ہے۔ وہ جب بیت اللہ نامی مکان کا طواف کر رہا ہوتا ہے تو دراصل اس کی روح خداوند لامکانی کا طواف کر کے یہ ظاہر کرتی ہے کہ میرا مرکز و محور صرف ذاتِ الٰہی ہے، اس کی طرف لپکنا، اسی سے محبت، اسی کے لیے فدائیت اور اسی کی اطاعت! وہ جب حجرِ اسود کا استلام کرتا ہے تو دراصل اپنے ربِّ ذوالجلال کے سنگِ آستاں کو اس کے جذبات چوم رہے ہوتے ہیں۔ وہ جب مقام ملتزم پہ کھڑے ہو کر ایمان و بخشش کی

دُعائیں کرتا ہے اور اپنے والدین کی مغفرت کی درخواست کرتا ہے تو گویا وہ ایوانِ جاناں کی چوکھٹ کو تھامے ہوئے ہوتا ہے۔ اور بے اختیار روتا ہے۔ وہ صفا و مروہ میں سعی کرتا ہے۔ اور پھر لمبی پیاس کے مارے کی طرح پیٹ بھر کر آبِ زم زم پیتا ہے۔ اگر جذبہ صحیح ہو تو یہ آبِ زمزم وجہ شفاء القلوب ہے اور قلوب اگر صحت مند ہوں تو بدن آسانی سے امراض کا شکار نہیں ہوتے۔ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ علیہما السلام کے احوال و جذبات سے حصہ پانے کے لیے صدیوں پہلے کی تاریخ کو کھینچ لاتا ہے۔ وہ جب عرفات کے بے پایاں ہجوم میں موجود ہوتا ہے تو اُس کے سامنے میدانِ حشر کا سا نقشہ آجاتا ہے۔ وہ قربانی کرتا ہے تو دراصل اس کا استعارہ یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اسی طرح احکامِ الٰہی کے تحت قربانی کے لیے پیش کر دوں گا۔ جس طرح حضرت اسمٰعیل نے برضا و رغبت پوری شانِ صبر کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔ نیز میں اسی طرح غلبۂ دین کے لیے اپنے بچوں کی ہلاکت کو گوارا کر دوں گا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے خدائی اشارے پر اپنے محبوب اور نوجوان سالہ بچے کو نثار کر دینا بخوشی گوارا کیا تھا۔ یہاں اُسے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل میں جو آدابِ فرزندی ابراہیمی تعلیم و تربیت نے پیدا کیے تھے، وہی اسے اپنی اولاد میں پیدا کرنے ہیں۔ پھر قربانی دینے کی اصل اسپرٹ یہ ہے کہ میرے دل میں جو محبتیں، جو خواہشیں اور جو اُمنگیں پائی جاتی ہیں اُن میں سے جس کے لیے مالک کی طرف سے امتناعی حکم میرے سامنے آئے گا، میں اُسے قربان کر دوں گا۔ تب اُس کے دل میں حضرت ابراہیم کے اس ارشاد کا صحیح مفہوم نقش ہو جاتا ہے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

حاجی جب مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کرتا ہے تو اُس کے کانوں میں باپ بیٹے کی دُعائیں گونجنے لگتی ہیں۔ قرآن میں ہے:

اور یاد کرو، ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے، تُو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیعِ فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے

درگذر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے۔ اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور اُن کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔"

حاجی اس دعا کی صدائے بازگشت سنتے ہوئے یہ نقطہ پالیتا ہے کہ جس گھر کی تعمیر کا ذکر ہے، وہ حرم ہے جو اُس کے سامنے ہے۔ یہ توحید پر استوار ہوا ہے۔ یہ سچے خدا پرستوں کا ایک مرکز دل و نظر ہے، یہ امن کا ایک سرچشمہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے اور اس کی یہ شان برقرار رکھنا اصلاً اللہ تعالیٰ کے اپنے اہتمام سے ہے لیکن ظاہری طور پر رسول کے بعد پوری اُمتِ محمدیؐ کا فریضہ ہے کہ وہ خدا کے اس گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے ہر قسم کے شرک کی آلائش اور ہر قسم کے فساد کی رکاوٹ سے پاک رکھیں۔

پھر اس دعا میں یہ آرزو کی گئی ہے کہ دعا کرنے والوں کو مسلم بنا۔ ایک حاجی کو بھی یہ جذبہ اُن فضاؤں سے نچوڑ کر لانا چاہیے کہ وہ مسلم بن کر رہے، وہ خدا کا مطیع فرمان ہو، وہ نہ بغاوت و سرکشی اختیار کرے، نہ شرک و نفاق کی راہیں نکالے۔ مسلم ہو تو حنیف ہو، یکسو ہو، ایک ہی رب سے لو لگالے اور ایک ہی الٰہ کے جلووں سے دل کے پنہاں خانے کو روشن کرلے۔

ساتھ ہی دعا یہ بھی بتاتی ہے کہ مسلم بن کے عبادت گذارانہ زندگی گذارنے کے لیے طور طریقے مقرر کرنا اور بتانا خدا کا کام ہے۔ مانگنے والوں نے اُسی سے طلب کی کہ وہ عبادت کے طریقے بتلائے۔

پھر دعا کرنے والوں نے صرف اپنے لیے ہی نعمتِ اسلام نہیں مانگی، بلکہ اپنی نسل سے بننے والی قوم کے لیے یہ درخواست بھی کی کہ اس کو اپنا مسلم و مطیع بنائیے گا اور اُس کے اندر سے اپنا رسول مبعوث فرما کر ان کو بھی صحیح راہ عبادت اور طریقہ اسلام بتائیے۔ معلوم ہوا کہ خدا کے رسول کا دامن تھامے بغیر اور اس کی لائی ہوئی الہامی تعلیم کو قبول کیے بغیر زندگی میں نہ عبادت کا رنگ پیدا کیا جا سکتا ہے، نہ مسلم بن کے جینا ممکن ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ رسول آئے اور خدا کی آیات بندوں تک پہنچائے، ہدایت اُن کو پڑھ کر سنائے۔ پھر خدا کی کتاب اور حکمتِ دین کی اُن کو وسیع تر تعلیم دے، پھر اُن کی زندگیوں کو فکری و اعتقادی لحاظ سے بھی اور اخلاقی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے بھی سنوارے۔

معمارانِ کعبہ کی یہ دعا تو پوری ہوچکی کہ خدا کا آخری رسولؐ شہر حرم ہی میں مبعوث ہوچکا۔ وہ خدا کی

کتاب سونپ گیا۔ وہ آیات پڑھ کر سنا گیا۔ اُس نے کتاب و حکمت کی تعلیم ۲۳ برس تک دی جس نے زمانے میں نئی صورتِ حالات کی اندر دی۔ اُس نے زندگیاں سنوار کر نہ صرف اعلیٰ درجے کے افراد ہزاروں کی تعداد میں پیدا کر دکھائے، بلکہ ایک معاشرہ بنا کر اور ایک ریاست چلا کر بھی دکھا دیا۔ یعنی انفرادی مسلمانی اور اجتماعی مسلمانی ساتھ ساتھ نشوونما پاتی گئیں۔

اب تو سوال صرف یہ ہے کہ ہم سب مسلمان اِس تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ حیات سے سبق لے کر اپنی اور معاشرے کی زندگی کو کیسے اسلامی زندگی بناتے ہیں۔

میرے محترم اور پیارے حجاج بھائیو! یہ فریضہ آپ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ توجہ چاہتا ہے۔ کیا آپ اس فریضے کی ادائی کے لیے تیار ہیں؟

شعائرِ حج کا ایک اہم موقع وہ ہے جب آپ شیطانوں کو کنکریاں مار رہے تھے۔ کیا اُس وقت آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ شیطان بس یہ تین ہیں، جو مجسّموں کی شکل میں آپ کے سامنے ہیں؟ آپ کو یہ مغالطہ تو نہیں ہوا کہ شیطان صرف خارج ہی خارج میں ہو سکتا ہے؟ کچھ آپ کو احساس ہوا کہ آپ کے گرد اور آپ کے اندر گھس کر شیاطین ساری عمر شرپسندانہ حرکات کرتے رہے ہیں؟ کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی کچھ خواہشیں اور جذبے ہیں، جنھیں ضرورت سے زیادہ اُکسا کر وہ آپ کو ایسی کشمکش میں مبتلا کرتے رہے ہیں جو کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر آدمی کو غلط سمت میں لے جاتی ہے؟ کیا آپ کے تصور میں یہ بات بھی آئی کہ یہاں سے پلٹ کر آپ کا سابقہ پھر انھی شیاطین سے پڑے گا۔ اور آپ کی پھینکی ہوئی کنکریاں اُس وقت تک اُن کو سنگسار نہیں کر سکتیں جب تک کہ آپ کچھ کنکریاں اپنے دل و دماغ کے غلط رجحانات پر اور اپنے اعزہ و احباب کی غلط خواہشوں اور نظریات کو بھی نہ ماریں؟ کیا کبھی پہلے اِدھر بھی کوئی کنکری آپ نے پھینکی؟ یا کم از کم کیا اب شیطانوں کی رمی کے ظاہری عمل سے سبق لے کر زندگی کی حقیقی مفسدہ انگیز قوتوں کے خلاف رمی کرنے کا ارادہ ہے؟

اگر زندگی کی فاسد و مفسد قوتوں کے خلاف ——— خواہ وہ قلبی و ذہنی ہوں یا خارجی، انفرادی ہوں یا اجتماعی افکار کے میدان میں کام کریں یا اعمال کے دائرے میں ——— آپ سنگباری کا

سبق وادئ محشر سے سیکھ آئے ہیں تو آپ نے حج کی روح پالی۔

آپ جس معاشرے کو چھوڑ کر گئے تھے اور جس میں واپس لوٹے ہیں، اس کے احوال پر ذرا غور سے نگاہ ڈالیے۔

یہاں دین سے عملی وابستگی رکھنے والوں اور سچے خدا پرستوں کی بہت کم تعداد پائی جاتی ہے۔ یہاں عظیم معلم توحید حضرت ابراہیمؑ کے واضح کردہ مسلک کے مطابق ہر طرف سے منہ موڑ کر اور صرف خدائے واحد کی عبادت و اطاعت میں لگ جانے والوں اور شرک اور نفاق اور تضاد اور دو عملی و دو رنگی سے پاک افراد آٹے میں نمک کی طرح ہیں۔ اسلامی تقریروں، اسلامی کتابوں، اسلامی تقریبوں، اسلامی میلوں، اسلامی عرسوں، اسلامی جلوسوں، اسلامی مشاعروں، اسلامی "یوموں" اور اسلامی نعروں کے خوشنما غلافوں کو دیکھ کر ہم سب کی طبیعتیں بہلتی ہیں، مگر غلافوں کو ہٹائیں تو نیچے کہیں تو کھلی لادینیت ملتی ہے، کہیں بے قید سیکولر زندگی، کہیں مختلف آلائشوں کے ساتھ پائی جانے والی مذہبیت، کہیں تعصب و تحزب کے مارے ہوئے فرقوں کے مناظرانہ محاذ!

یہی وجہ ہے کہ مسلمان وہ فارمولا ہی بھول گئے جس کے تحت متفرق اختلافات کے باوجود اصولوں پر مبنی وحدت قائم رہتی تھی اور ایک خیال کا مسلمان دوسرے نقطۂ نظر کے مسلمان کے لیے سچا جذبۂ اخوت رکھتا تھا۔

مسئلہ صرف پاکستان ہی کا نہیں، سارے عالم اسلام کی حالت یکساں ہے۔ فرد افراد سے، خاندان خاندانوں سے، سیاسی گروہ سیاسی گروہوں سے، قائدین قائدین سے، مذہبی جتھے دوسرے مذہبی جتھوں سے، جمہور حکمرانوں سے اور حکمران جمہور سے بر سر کشمکش ہیں۔ ہر کوئی اپنے آپ کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتا ہے۔ کوئی روحانیت کے زور سے، کوئی علم کے زور سے، کوئی دولت کے زور سے، کوئی جتھا بندی کے زور سے اور کوئی قانون اور عہدے کے زور سے! نتیجہ ہر سطح پر، ہر دائرے میں معاشرے کی شکست و ریخت ہے۔

آپ کا یہ معاشرہ دولت پرستی اور آسائش پسندی اور معیار پرستی میں اتنی دُور نکل گیا ہے کہ معاش کی اکثر و بیشتر پگڈنڈیاں اب حرام کی وادی سے گذرتی ہیں۔ آج رزقِ حلال کا حصول انتہائی کٹھن ہوگیا ہے۔

امتحانات میں تعلیم گاہوں کے داخلوں میں، ہسپتالوں میں جگہ کے حصول اور عملے کی توجہ اور دواؤں کے حصول میں، مختلف بھرتیوں میں، بھرتیوں کے انٹرویوز میں، تبادلوں اور ترقیوں میں، مواقعِ معاش تک رسائی میں ہر جگہ خیانت کی چوکیاں قائم ہیں۔ عوام کے لیے فارم بازی بڑھ گئی ہے اور وہ سال میں کئی کئی بار اور کئی کئی دن دفتروں کے چکر لگاتے ہیں اور ہر چکر میں کچھ مال پلّے سے دیتے ہیں، کچھ تکلیف اُٹھاتے ہیں، کچھ عزت گنواتے ہیں۔

خیانت کی اس دبا میں اضافے کی ایک وجہ یہ ہے کہ قوم گرانی کے سامنے سامنے پانی اور بجلی اور سوئی گیس کے بڑھتے ہوئے نرخوں کا بوجھ بھی اُٹھائے ہوئے ہے اور ٹیکسوں میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

زندگی کا ایک ایک لمحہ گذارنا غار اشگافی اور کوہ کنی کا تقاضا کرتا ہے۔

آپ کے معاشرے میں بے پردگی کا رجحان بڑھ رہا ہے، فحاشی کے سرچشمے جاری ہیں۔

آپ کے معاشرے میں جرائم بڑھ رہے ہیں، نہایت وحشیانہ تشدد اور سیاسی قتل کے حوادث بار بار ہونے لگے ہیں۔ محافظِ امن اداروں کی طرف سے جو تحفظ عوام کو حاصل تھا، روز بروز کم ہو رہا ہے۔ ہر آدمی کو خوف اپنے پنجوں میں دبوچ رہا ہے۔

ان حالات میں زندگی کی اُلجھنیں بڑھ گئی ہیں، انسانی رابطوں میں کمی آ رہی ہے اور ہر فرد تنہا ہوتا جا رہا ہے، اس تنہائی کے عالم میں اس کے اعصاب ذہنی اور معاشی بوجھ میں مسلسل اضافے سے چٹخنے لگے ہیں۔ ہر شخص پریشانیوں اور اضطرابات میں گھرا ہوا ہے۔ ان وجوہ سے اعصابی خلل، دماغی اضمحلال، خون کے دباؤ کی کمی بیشی اور دل کے دوروں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

محترم حاجیانِ حرمین شریفین! اب آپ آئے ہیں تو اپنے اس مصیبت زدہ معاشرے پہ رحم کھا کر کوشش کیجیے کہ یہاں خدا پرستی، رزقِ حلال اور اطمینانِ قلب کا دَور دَورہ ہو۔ اس مقصد کے لیے آپ کام کرنے کی راہیں تلاش کریں۔ کچھ نور اگر آپ نے دورانِ حج حرم سے حاصل کیا ہے تو اب قوم کی تاریکیوں میں اسے پھیلانے کی فکر کیجیے۔ کچھ دوڑ دھوپ کیجیے، کچھ تگ و تاز کیجیے، دروازے کھٹکھٹائیے،

بھٹکتی روحوں کو پکاریئے، مئے سکینت کے خموں کے دہانے کھول دیجیے۔ الحاد اور لادینیت، حرام خواری اور تنگی معیشت، بے حجابی اور بدقوارگی کے خلاف ایک محاذ آراستہ کیجیے۔ مخالفِ اسلام نظریات اور رسوم واطوار کو چیلنج کیجیے۔ پاکستان کی وحدت وسالمیت کے مخالفوں اور غایتِ پاکستان کے دشمنوں کے ہاتھ پکڑ لیجیے۔

کیا حج سے حاصل کردہ اسپرٹ آپ کو اس جہادِ عظیم کے لیے نہیں پکارتی؟

کتنی عجیب بات ہے کہ کسی قوم کے کئی ہزار افراد ہر سال حج کرکے آتے ہوں اور پھر بھی اس کے اعتقادی اور اخلاقی احوال خراب رہیں۔ اگر پاکستان بننے کے بعد ۳۵ سال تک حج کرنے والوں میں سے صرف ایک ہزار بیدار دل حاجی بھی ہر سال میدان میں اُتر جاتے اور ہر سال ایک حاجی دس افراد کے سینوں میں ایمانِ باعمل کی شمعیں فروزاں کر دیتا تو خدا پرست، محبت کیش نصفت شعار لوگوں کی ایسی صفیں کی صفیں تیار ہو جاتیں جو اسلام کو ایک زندہ قوت میں بدل سکتی تھیں۔

اگر آپ ہمارے ذہنی احوال کو دیکھیں تو ہم میں بے حسی بھی ملے گی، جمود بھی ملے گا، بے روح اعتقادات ملیں گے، ان پہ مناظرانہ بحثیں ملیں گی، رسمیات کی ایک مستقل شریعت ملے گی، شرک و بدعت کے مظاہر ملیں گے۔ اس طرح معاشی زندگی میں ایک طرف فاقہ مستیاں اور دوسری طرف چیرہ دستیاں، ایک طرف بے روزگاری اور دوسری طرف اسراف و تبذیر، ایک طرف مجبوری و بے بسی اور دوسری طرف ظلم و تشدد، دفتری زندگی میں کام چوری اور رشوت، کاروبار میں چوربازاری اور ملاوٹ اور گراں فروشی، سماجی طور سے غلاظت و جہالت اور بیماری و بیکاری، امن کے پہلو سے جرائم اور لوٹ مار۔ آخر اس فضا کو بدلنے کے لئے ہمارے لاکھوں حاجیوں کا حج انقلاب آفریں کیوں نہیں بنتا۔

کلمہ ایک انقلابی نور ہے، اذان انقلابی پکار ہے، نماز روزہ انتہائی انقلاب انگیز عبادتیں ہیں، صدقہ خدائی انقلاب کے علمبرداروں کی توانائی ہے ——— اور حج جو بہت سی عبادات کا جامع ہے، وہ تو تاریخ میں بہت عظیم مدوجزر پیدا کرنے والی طاقت ہے۔ تبدیلی نہ کلمے میں آئی ہے، نہ اذان اور نماز میں، نہ روزہ و صدقہ میں اور نہ حج و قربانی میں البتہ جمود آفریں تبدیلی خود ہمارے اندر آئی ہے۔

زندگی کے تمام خدوخال منجمد ہو گئے ہیں۔ تحریکیت کا سیلابی دریا یخ بستہ ہو گیا ہے۔ برودت یہاں سے وہاں تک چھائی ہوئی ہے۔

پیارے حاجیو! اس روگ کا کچھ درماں کرو، اور جو کوئی ایسی فکروکاوش کرتا ملے، اُس کی قوتوں کے ساتھ اپنی قوتیں ملا دو۔

پھر یہ ساری وادیٔ ملت جاگ اُٹھے گی، سل پتھر بنے ہوئے یکہ زندہ ہو جائیں گے، قبروں سے مُردے کفن پھاڑ کر سر اُبھار یں گے، ذرّے کروٹ لے کر آفتاب بن جائیں گے اور چاروں طرف اجالا پھیل جائے گا۔

مگر یہ سب کچھ کیوں نہیں ہوتا!

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حج اور شعائرِ حج کی حقیقت کا پوری طرح شعور نہیں ہوتا۔ چنانچہ کتنے ہی طائفینِ حرم ہیں جو واپس آکر پھر وہی کے وہی کام کرنے لگ جاتے ہیں، انھی نزاعات میں پڑ جاتے ہیں۔ مفاد کے اسی جھگڑے میں آکر جُت جاتے ہیں، اور حج کے لوازمات کے بعد اپنی سطح اسی طرح ہموار کر لیتے ہیں جیسے سب کچھ پہلے تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر حاجی مطمئن ہو کر لوٹتے ہیں کہ اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور اب اُن کی روح ٹھیک ٹھاک ہو گئی ہے، لہٰذا وہ دوبارہ اپنی دُنیا کی دلفریبیوں میں مگن ہو جاتے ہیں، بلکہ حاجی ہونے کے بعد انہیں اور زیادہ تسلّی ہو جاتی ہے کہ کاروبار، ملازمت یا سماجی معاملات کی خرابیوں کو ڈھانپنے کے لیے ایک اچھا زرکار غلاف اُن کو میسّر آگیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض حاجیوں میں اپنے متعلق ایک طرح کا احساسِ عظمت وافتخار پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اُن کے گرد وپیش کے لوگ اور اُن کا گھریلو اور سماجی ماحول بھی اُن کے احساسِ افتخار کو پرورش دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تو مقامِ کبر تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اپنے حلقے میں دینی اتھارٹی بن جاتے ہیں۔ دوسروں کو ٹوکتے ہیں، مگر اُن کو ٹوکنے کی جرأت کوئی نہیں کرتا۔ یہ پندار بعدِ حج کی برکات کے حصول میں حجاب بن جاتا ہے۔ پھر نہ اُن کی ذات میں کوئی تبدیلی آتی ہے، نہ وہ اپنے گھر کے ماحول کو سنوارنے کی فکر کرتے، نہ کاروبار کا نقشہ بدلتے ہیں، نہ عادات واطوار کے بُرے پہلوؤں کو چھانٹ کر اُن کو نئی ترتیب دیتے ہیں،

نہ ہی وہ قومی، ملکی اور ملی مسائل میں راہ حق کی تلاش کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔

چوتھی وجہ کچھ لوگوں کی حد تک یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ حج کے بعد مکمل طور پر دنیوی مشاغل کو ترک کر کے جا نماز اور تسبیح کو سنبھال لیتے ہیں۔ اُن کی تسبیح اور جا نماز کے حلقے کے باہر کی دنیا ایمانی و اخلاقی طور پر تباہ ہوتی رہے تو وہ بے نیاز رہ کر اپنی عاقبت سنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔ خاص طور سے وہ حضرات جن کی اولادیں اور گھر کے لوگ اُن کو بڑی خوش اسلوبی سے عملی زندگی سے ریٹائر ہو جانے کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ حج کے بعد وہ دکان، دفتر، کھیت سے انہیں بے تعلق کرنے کے لیے نہایت درجہ ادب و احترام کے انداز سے بہت آرام دہ حالات میں اللہ اللہ کرنے کے مواقع مہیا کرتے ہیں۔ اس طرح وہ قوت جو ہر سال حج سے پیدا ہونی چاہیے، وہ اصلاحِ زندگی کے کام کے لیے غیر مؤثر بن جاتی ہے۔

بس اے محترم اور پیارے حاجیانِ حرمینِ شریفین!

آپ پوری سوچ بچار سے یہ عہد کر کے اپنے ہاں نئی زندگی کا آغاز کریں کہ ایک طرف آپ کو اپنی ساری سرگرمیوں کا جائزہ لے کر اُن تمام چیزوں کو چھانٹ دینا ہے جو خلافِ دین ہیں یا مشتبہ یا لغو ہیں۔ اپنے نئے مشاغل کا پورا نقشہ از سرِ نو تیار کرنا ہے۔ دوسری طرف آپ کو اپنے گھر کے ماحول کو بدلنا ہے۔ ایک حاجی کے گھر میں نماز اور قرآن کا دَور دورہ ہونا چاہیے۔ ایک حاجی کے گھر میں پردے کا صحیح شرعی اہتمام ہونا چاہیے اور بے پردگی کے ساتھ ساتھ منافقانہ پردے کا سلسلہ رُک جانا چاہیے۔ ایک حاجی کے گھر میں نہ حرام مال داخل ہونا چاہیے، نہ ناہنجار قسم کی رسمیں اور فیشن پنپنے چاہئیں۔ تیسری طرف آپ کو یہ فکر کرنی ہے کہ آپ اپنے محلے، اپنے علاقے یا شعبے، اپنے کاروباری یا دفتری حلقے میں خدا اور رسولؐ کے دین کی دعوت کس طرح پھیلائیں اور اس کام میں کس جماعت یا ادارے یا کن افراد کے ساتھ تعاون کریں۔

حج کے بعد دعوتِ دین کا آپ کو زبردست علمبردار ہونا چاہیے۔ خدا آپ کو حج کے بعد کی زندگی میں مزید سعادتیں اور برکتیں عنایت فرمائے۔

عہدِ نبوی میں سفارتی تنظیم

محمد یوسف فاروقی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مختلف قوموں اور مملکتوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دو طرفہ معاہدات کے لیے قدیم زمانہ سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ حالتِ امن میں معاشرتی اور تجارتی معاملات اس ادارہ کے ذریعے طے ہوتے تھے۔ اور حالتِ جنگ میں دشمن کے خلاف جنگی مدد حاصل کرنے اور حلیف بنانے کے لیے سفارتی رابطے قائم کیے جاتے تھے۔ قرونِ اولیٰ میں یہ ادارہ اس قدر منظم اور ترقی یافتہ نہ تھا جتنا کہ آج نظر آتا ہے اور نہ ہی سفارت خانوں کے مستقل دفاتر مختلف ممالک میں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود سیاسی طور پر اس ادارہ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب قوموں اور مملکتوں کے درمیان سفارتی رابطہ کی ضرورت پیش آتی تو ایسے فرد کو سفارتی ذمہ داریاں دے کر بھیجا جاتا جو ذہین و سمجھدار ہو، اپنی بات کو مؤثر انداز میں پیش کر سکتا ہو، زیرِ غور مسئلہ کے ہر پہلو کو خوب سمجھتا ہو اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اسلام سے پہلے عربوں کی سفارتی سرگرمیاں جنگ بعاث میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابوالحیسر کی سربراہی میں قریشِ مکہ کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی شریک تھے۔ قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لیے قائم کیا تھا کہ قریشِ مکہ کو اپنا حلیف بنا لیں، تاکہ جنگ میں ان سے خزرج کے خلاف مدد حاصل کر سکیں [1]۔ مکہ کی شہری مملکت میں سفارت کا ادارہ

[1] شبلی، سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۶۱

خاندانِ عدی کے پاس تھا اور بعثت کے وقت حضرت عمرؓ اس عہدہ پر فائز تھے[1]۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو قریشِ مکہ نے علمائے یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ علمائے یہود سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کے پیغامِ توحید کے بارے میں ——— مشورہ کریں۔ یہ بھی معلوم کریں کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب میں بھی کسی آنے والے نبی کا تذکرہ ہے؟ اور یہ کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، کیا واقعی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہے[3]؟

مکی دور میں مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بعض مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کر لی تھی، اہلِ مکہ نے شاہ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ سفارتی ذرائع سے نجاشی پر دباؤ ڈالا جائے اور اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو اُن کے حوالے کر دے یا کم از کم اپنی ریاست سے انہیں نکلنے پر مجبور کر دے۔ قریشِ مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیئے۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے نمائندگی کی اور قریش کے سفرا کے اعتراضات کے جوابات دیئے[4]۔

اسلام کے بعد سفارتی رابطوں کی تنظیم نو

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سفارتی رابطہ اس وقت قائم کیا جاتا تھا جب دو مملکتوں یا قوموں کے درمیان سیاسی یا دفاعی معاہدات طے کرنا ہوں یا کوئی اہم معاشرتی اُلجھن پیدا ہو گئی ہو، بعض اوقات محض سیاسی تعلقات پیدا کرنے کے لیے بھی رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ کو از سرِ نو منظم کیا۔

---

[1] شبلی سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۱۲ [2] الروض الانف جلد ۱ ص ۱۹۔

[3] شبلی سیرۃ النبی جلد ص ۲۳۷۔ مولانا ادریس کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰ جلد ۱ ص ۲۱۳۔

[4] حضرت جعفر طیارؓ نے بہت مؤثر اور مدلل انداز میں جوابات دیے۔ اُن کی گفتگو نے شاہ حبشہ کو اس حد تک متاثر کیا کہ اُس نے قریشِ مکہ کے سفیروں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ان بے خانماں مہاجرین کے مقابلہ میں قریشِ مکہ کے سفیروں کی اس طرح ناکامی مسلمان مہاجرین کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

اسے زیادہ فعّال بنایا اور اس کے فرائض میں سب سے اہم ذمہ داری دعوتِ دین اور اشاعتِ حق کے کام کو قرار دیا۔

اسلام ایک آفاقی دین تھا جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی فلاح و سعادت کے لیے ایک جامع نظامِ حیات پیش کیا۔ اس نظام میں دعوت دین یا نظریہ کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی مملکت کا نصب العین ہے اور خارجہ تعلقات کا ادارہ بھی مملکت کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفراء کے فرائض میں دعوتِ دین کے فریضہ کو ہر چیز پر فوقیت دی ہے۔

اسلامی مملکت بنیادی طور پر ایک نظریاتی مملکت ہوتی ہے۔ نظریہ کی اشاعت اور دنیا بھر میں شہادتِ حق اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد مملکت کے سفراء پر بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی میں سفیروں کے انتخاب اور ان کے تقرر کے موقع پر اس عظیم الشان مقصد کو پیشِ نظر رکھا جاتا تھا۔

سفراء بیرونی ممالک میں نہ صرف یہ کہ اپنی مملکت کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں بلکہ پوری قوم کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے انتخابات میں بہت سی خصوصیات کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن افراد کو یہ منصب عنایت فرماتے تھے، ان میں بہت سی خصوصیات ملحوظ رکھتے تھے، مثلاً اپنے دین (نظریہ) کا وسیع علم رکھتے ہوں، علمی اعتبار سے بہت مضبوط ہوں اس لیے کہ عمل اشاعتِ دین کا بہت مؤثر ذریعہ ہے، اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا ملکہ حاصل ہو تاکہ اپنی بات مؤثر و مدلل انداز میں پیش کر سکیں۔ لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا ملک میں بحیثیت سفیر جا رہے ہوں وہاں کے حالات سے واقف ہوں اور اس ملک و قوم کی زبان جانتے ہوں۔

سفراء کی خصوصیات

محمد عجاج الخطیب نے المصباح المضیی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

وفی السنة السادسة کثرت بعوثه صلی اللہ علیه وسلم فقد وجه بعد صلح الحدیبیة رسله الی الملوک یحملون کتبه، ففی یوم واحد انطلق ستة نفر الی جهات مختلفة یتکلم کل واحد منهم بلسان القوم الذین بعث الیهم۔

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی وفود کثرت سے روانہ ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے پاس خطوط دے کر اپنے سفیروں کو روانہ کیا، ایک روز چھ وفود مختلف حکمرانوں کے پاس روانہ ہوئے۔ ان میں سے ہر فرد اس قوم کی زبان جانتا تھا جس قوم میں اسے بھیجا گیا تھا۔[۱]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفیروں کے لیے زبان دانی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ

(ابراهيم - ۴)

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان پر (اللہ تعالیٰ کے احکام) اچھی طرح واضح کر دے"[۲]

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افراد جو قوموں اور مملکتوں کے حالات و زبان سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ اچھی طرح دین و مملکت کے مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ یہودیوں کے مذاکرات اور سفارتی سرگرمیوں میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکیں۔[۳]

سفراء کی خصوصیات کے بارے میں علامہ عبدالحی کتانی نے اپنی مشہور کتاب التراتیب الاداریہ میں ایک اور صفت کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سفراء پرکشش اور باوقار شخصیت کے مالک ہوں۔ اس دور کی سب سے بڑی سلطنت کے حکمران قیصر روم کے پاس حضرت دحیہ کلبیؓ تشریف لے گئے تھے جو تمام سفراء میں سب سے زیادہ صاحب وجاہت اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔[۴] اسی طرح حضرت مصعب بن عمیرؓ

۱۔ محمد عجاج الخطیب السنۃ قبل التدوین ص ۷۱ بحوالہ المصباح المضی ص ۴۰ (از محمد بن علی الانصاری) مخطوطہ مکتبۃ الاوقاف، حلب۔

۲۔ ابراہیم - ۴ ۳۔ شبلی، سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۹۴

۴۔ عبدالحی کتانی، التراتیب الاداریہ جلد ۱ ص ۱۹۰

جنہیں مدینہ کے قبائل میں بھیجا گیا تھا۔ بہت پُرکشش و پُر رونق شخصیت کے مالک تھے[۱]

مدینہ میں پہلا سفیرِ اسلام

تحریک اسلامی کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں اور مملکتوں کے سربراہوں کے پاس اپنے نمائندے نہیں بھیجے بلکہ عام لوگوں سے براہ راست رابطہ رکھا اور بوقت ضرورت اپنے نمائندے بھی قبیلوں کے لوگوں میں روانہ فرمائے۔ یہ نمائندے قبیلوں کے عام لوگوں میں جاتے اور انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کرتے اور دین کی دعوت پیش کرتے تھے۔

اسلام کی سیاسی تاریخ میں بیعت عقبہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ بیعت دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ بیعت نبوت کے گیارھویں سال ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی شعاعیں سرزمین مدینہ میں پھیلنے لگیں۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اپنا نمائندہ بناکر قبائل اوس و خزرج میں روانہ فرمایا تاکہ وہ ان قبائل میں خاص طور پر اور اہل مدینہ میں عام طور پر دعوت دیں اور اشاعت حق کا فریضہ انجام دیں اور جو لوگ دینِ اسلام کو قبول کرلیں ان کی تربیت اور تزکیہ نفس کا کام کریں تاکہ تقویٰ اور مکارم اخلاق کی بنیاد پر اُمتِ مسلمہ کے مہذب اور صالح معاشرہ کی تشکیل کرسکیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا اندازِ گفتگو بہت سنجیدہ و شگفتہ ہوتا تھا، وہ اپنی گفتگو کا آغاز بڑی ملاطفت کے ساتھ کرتے اور مؤثر انداز میں مضبوط دلائل کے ساتھ مخاطب کو قائل کرتے تھے۔ مخاطب کی طبیعت و مزاج کو سمجھتے ہوئے بات کرتے تھے، وہ جب بھی کسی کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تو کم ہی لوگوں کو انکار کی گنجائش ہوتی تھی۔ ورنہ عام طور پر لوگ اسلام قبول کرکے دعوتِ دین کی تحریک میں ان کے شریکِ کار بن جاتے تھے۔ عام لوگوں میں دعوتِ دین کا کام کرنا اور انہیں اپنے نظم میں منسلک کرلینا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا ان افراد کو شامل کرنا دشوار ہوتا ہے جو سیاسی قیادت رکھتے ہوں یا اقتدار و ثروت کے مالک ہوں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اوس و خزرج کے ان سرداروں کو بھی جو مکمل قیادت و اختیارات کے مالک تھے، دائرۂ اسلام میں داخل کرلیا۔ اوس و خزرج کے سرداروں کے قبولِ اسلام کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد مدینہ منورہ کے ان دو عظیم قبائل

---

[۱] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، قسم اوّل، جلد ۳ ص ۸۲

کی بھاری اکثریت حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی۔

اسلامی مملکت کے قیام کے بعد مدنی دور میں جب باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ کو خاص طور پر منظم کیا۔ دینِ اسلام کی اشاعت، امن و سلامتی کے قیام اور انسانیت کی فلاح و سعادت کے لیے اپنے سفراء کے ذریعے اُس وقت کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کے حکمرانوں، نیم خود مختار ریاستوں کے امراء اور قبائل کے سرداروں کے ساتھ سفارتی رابطے قائم کیے۔ اور انہیں دین کے پیغام اور اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا۔ ان سفراء نے ان پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اُن کی اور ساری انسانیت کی سلامتی کا راستہ صرف دینِ اسلام کی اتباع ہی ہے۔[۱]

جن حکمرانوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء گئے۔ اُن میں سب سے زیادہ اہم حکمران رُوم کا بادشاہ قیصر تھا۔ قیصر کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ سفیر بن کر گئے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب رُوم کو اپنے زمانہ کی دوسری بڑی طاقت فارس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو چکی تھی، اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رُوم اُس دور کی سب سے بڑی طاقت ور سلطنت تھی۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اور قیصرِ رُوم حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جب قیصر کے دربار میں پہنچے تو اُس نے اُن کا اعزاز و احترام کیا۔ رسول اللہ کا خط پڑھا اور بہت سے ضروری سوالات کیے۔ قیصرِ رُوم نے رسول اللہ کے پیغام کے بارے میں صرف آپ کے سفیر ہی سے گفتگو نہیں کی بلکہ عرب کی سرزمین سے تجارت کے سلسلے میں آنے والے لوگوں کو بھی بُلا بھیجا تاکہ اُن سے بھی معلومات حاصل کی جا سکیں۔ ابوسفیان اُن دنوں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ آئے ہوئے تھے ـــــ اور غزہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، قیصر نے انہیں بُلا کر اُن سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام کے بارے میں سوالات کیے، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، قیصر نے مزید تصدیق کے لیے اپنی سلطنت کے بڑے عالم ضغاطر رُومی سے آخری نبی کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اُس رُومی عالم نے

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھیے ابن جریر طبری رحمہ اللہ سنہ ۶ھ کے واقعات کے تحت محمد رضا مصری، محمد رسول اللہ ص ۲۲۳ تا ۲۷۴۔

رسول اللہ کی رسالت کی تصدیق کی تھی[1] ان واقعات کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قیصر رُوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو گیا تھا۔ لیکن شاہ رُوم کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ رسول اللہ کی دعوت کو قبول کرے یا اپنی وسیع و عریض سلطنت پر اپنا اقتدار برقرار رکھے اور اپنی رعایا کو خوش رکھے۔ شاید سیاسی مصلحتیں اور کچھ مادی منافع رکاوٹ بن گئی تھیں[2]۔ وہ دُنیا کی بڑی طاقت ہونے کا بھرم بھی باقی رکھنا چاہتا تھا۔ قیصر رُوم نے آپ کے سفیر کے سامنے رسول اللہ کی عظمت کا اعتراف کیا۔ اور آپ کے سفیر کو اعزاز و احترام کے ساتھ واپس روانہ کیا[3]۔

حضرت دحیہ کلبیؓ کے لیے یہ بڑی کامیابی تھی کہ ایک عظیم الشان سلطنت کا حکمران نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے، بلکہ اس کے دل و دماغ پر رسالت مآب کی عظمت کا رعب چھا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۹ھ میں تبوک کے مقام پر قیصر کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ اور مجاہدین کے مقابلے کے لیے نکلتا۔ ہمارے خیال میں غزوۂ تبوک کی کامیابی میں حضرت دحیہ کلبی کی کامیاب سفارت کا بھی بہت کچھ حصّہ تھا۔

حکومتِ فارس کی طرف سفارت فارس اس وقت کی دوسری بڑی طاقت تھی۔ بہت بڑے حصّہ پر کسریٰ کا راج تھا۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے ممالک سلطنتِ فارس کے باج گذار تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو شہنشاہ ایران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا یہ غالباً اسی زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں حضرت دحیہ کلبیؓ کو شاہِ رُوم کے پاس بھیجا تھا۔ کسریٰ جیسے اپنی قوت و بادشاہت کا بڑا گھمنڈ تھا، یہ بات ناقابلِ برداشت ہوئی کہ اتنی سلطنت کے شہنشاہ کو

---

[1] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری جلد ۱ ص ۳۸

[2] السیرۃ الحلبیہ میں قیصر روم کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ "اِن فعلتُ ذھب مُلکی وقتلتی الروم" اگر میں آپ کی بات مان لوں تو میری حکومت ختم ہو جائے اور رُوم کے لوگ مجھے قتل کر دیں گے شاید قیصر رُوم نے رسول اللہ کے ان الفاظ پر غور نہیں کیا تھا۔ "اسلم تسلم" اسلام قبول کرلو، سلامتی پاؤ گے۔

[3] الطبری جلد ۳ ص ۸۸۰، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۲۶۲ تا ۲۶۸

جزیرۃ العرب کی معمولی مملکت کا ایک فرد اُسے اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت پیش کرے، اور یہ بات کہے کہ اسلام قبول کرلو اسی میں سلامتی ہے۔ کسریٰ نے خط اور اُس کا انداز دیکھ کر سخت ردِ عمل کا مظاہر کیا۔ اور آپؐ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اپنی ایک تو آبادی یمن کے گورنر باذان کو حکم نامہ بھیجا کہ فوراً دو طاقتور افراد سرزمین حجاز میں بھیجے جائیں، جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس نئے دین کی دعوت سے روکیں اور اگر وہ اس کام کو نہیں چھوڑتے تو اُن کا سر میرے پاس پیش کرو یا زندہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ۔ باذان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو قوی افراد بھیج دیے اور یہ لکھ بھیجا کہ اے محمدؐ آپ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیں۔ اگر آپ نے بچنے کی کوشش کی تو یہ نہ صرف آپ کی تباہی کا باعث ہو گا بلکہ آپ کی پوری قوم اور آپ کے ملک کی تباہی کا باعث ہو گا۔ یہ سپاہی باذان کا حکم نامہ لے کر مدینہ منورہ پہنچے یہاں انہوں نے رسول اللہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جب یہ سپاہی مسجد نبوی میں آپؐ کی مجلس میں پہنچے تو آپ کی عظمت و تقدس سے مرعوب ہو گئے۔ اور خاموشی کے ساتھ حاکم یمن کا حکم نامہ پیش کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا کچھ روز یہاں ٹھیرو، کل پھر مجھ سے ملنا۔ اگلے روز جب یہ سپاہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے تو آپ نے انہیں اطلاع دی کہ فارس کا کسریٰ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا تخت و سلطنت پر قابض ہو گیا ہے، یہ سپاہی اس خبر پر بہت حیران ہوئے۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے ان سپاہیوں کو بھی دین کی دعوت دی اور اُن سے کہا کہ اب تم جاؤ اور میری طرف سے حاکم یمن کو بھی اسلام کی دعوت پیش کر دینا اور اُسے یہ بھی بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ کا دین اور میری مملکت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے۔ حاکم یمن کے سپاہی رسول اللہ کا یہ پیغام لے کر واپس چلے گئے اور تمام حالات حاکمِ یمن سے بیان کیے۔ جب اُسے اِس واقعہ کی تصدیق ہو گئی کہ واقعی شہنشاہ فارس قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا شیرویہ حکومت پر قابض ہو گیا ہے تو باذان اور اس کے رفقاء کار نے اسلام قبول کر لیا۔[۱] (باقی)

---

[۱] علی بن برہان الدین، حلبی، السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۲۹۱، ۲۹۲۔ زرقانی ج ۳ ص ۳۴۹ ابن سیدالناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۶۳۔ الطبری ج ۳ ص ۹۰۔ البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۶۸ تا ۲۷۰۔

امام ابن تیمیہؒ

۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ

از جناب عبد الرشید عراقی

(۵)

امام کی تصنیفی خصوصیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی عمر ۱۱ سال کی تھی جب انہوں نے قلم سنبھالا اس کے بعد اُن کی زندگی میں کئی اہم واقعات رُونما ہوئے۔ مگر امام صاحب کا قلم ۵۴ سال تک رواں دواں رہا[1]۔ اور اس میں آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، ادب، شیعوں، صوفیوں، نصرانیوں، اتحادیوں اور منطقیوں وغیرہ کی تردید میں کافی لکھا۔ کئی ایک خطوط لکھے۔ سیکڑوں سوالوں کا جواب لکھا[2]۔

امام صاحب کی تصانیف کچھ منفرد خصوصیات رکھتی ہیں جو اس عصر کی تمام تصنیفات سے ان کو نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی امام ابن تیمیہ کے تصانیف کے متعلق فرماتے ہیں:۔

۱۔ ابن تیمیہؒ کی تقریباً ہر تصنیف کے ناظر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف مقاصد شریعت اور رُوحِ دین کا رازداں ہے۔ اس کے ہاتھ میں دین کے سرے (اطراف و اصول) آگئے ہیں۔ اس لیے ہر مبحث میں اس کی بحث اصولی و مرکزی، تشفی بخش، اطمینان آفریں اور موجب یقین ہوتی ہے۔ وہ جزئیات کی بجائے اصول پر زور دیتے ہیں۔ اور بحث کا اس طرح آغاز کرتے ہیں کہ پڑھنے والے

---

[1] حیات ابن تیمیہؒ ابوزہرہ صفحہ ۷۹۹

[2] امام ابن تیمیہؒ محمد یوسف کوکبی صفحہ ۶۳۸

کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی دین کا مزاج اور اُس کی روح ہے اور بداہۃً اور راضرار راشدیت محمدؐ کا تقاضا ہے۔ اپنے معاصرین اور دوسرے مصنفین کے مقابلے میں ان کے تفوق کا راز یہی مقاصدِ شریعت اور روحِ دین کی واقفیت اور ان کی کامیاب ترجمانی ہے۔ جو اُن کی ہر بڑی چھوٹی تصنیف میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ خصوصاً جب وہ عقائد اور اہم کلامی و فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

۲ ـــ امام صاحب کی تصانیف کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کتابیں کسی عملی گوشہ یا الگ تھلگ جزیرہ میں نہیں لکھی گئی ہیں۔ بلکہ عین زندگی کے میدان میں اور عوام کے بیچ میں لکھی گئی ہے۔ ان کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ ان کے زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے اور اُس سوسائٹی کے ذہن و اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے اُن کا مصنّف متعلق تھا۔

پھر اُن کتابوں سے اُن کے جذبات، جوش، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مصنّف دل و دماغ اور انسانی احساسات وجذبات رکھنے والا انسان تھا۔ محض آلۂ کتابت یا عقلِ محض نہ تھا۔

ان کے طریقۂ تفسیر کی بھی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کی زندگی سے ربط ہے۔ اُن کا مصنّف آیاتِ الٰہی کو اپنی گرد و پیش کی زندگی اور اپنے معاصر انسانوں پر منطبق کرتا ہے۔ اور ان آیات کے نقطۂ نظر سے زندگی کا جائزہ لیتا ہے۔ اور اپنے ہم عصروں اور اُمت کے مختلف طبقوں کا احتساب کرتا ہے۔ وہ بتلاتا ہے کہ ان آیات و حقائق سے زندگی میں کہاں انحراف ہو رہا ہے۔ اور اس کے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ زندگی کے اس وصف نے ان کی تصانیف کو ایک طویل زندگی، تاثیر اور دلآویزی بخش دی ہے، جو دوسری تصنیفات میں کمیاب اور اکثر نایاب ہے۔

۳ ـــ تیسری خصوصیت یہ ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں۔ اُس پر اتنا مواد اور مسالہ جمع کر دیتے ہیں جو بیسیوں کتابوں اور سینکڑوں صفحات میں منتشر ہوتا ہے۔ اُن کا یہ طرزِ تصنیف (جو انسائیکلوپیڈیائی طرز کہلایا جاسکتا ہے) ان کی تمام تصانیف کا نمایاں وصف ہے، خواہ وہ نقلی مباحث پر ہو، یا عقلی مباحث پر۔ اس طرح اُن کی کتابوں میں یک جا اتنا مواد مل جاتا ہے کہ اُن کی ایک کتاب اکثر ایک کتب خانہ کی قائم مقام بن جاتی ہے۔ اور طالبِ علم کو بہت سی کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہے۔

اکثر اس مواد اور نقول کے پیش کرنے میں بحث کا سرا ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اور مطالعہ کرنے والا اقوال و نقول کی کثرت میں گم ہو جاتا ہے۔ اور اس کو بحث کا سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس دشواری کے باوجود ان کی کتابوں کے اس افادی پہلو کی تحقیر نہیں کی جا سکتی کہ وہ متقدمین و معاصرین کے اقوال و آراء کا ایک مخزن اور اپنے موضوع پر ایک چھوٹا سا "دائرۃ المعارف" ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا علمی احسان ہے کہ انہوں نے بہت سا قدیم مواد و مسالہ محفوظ کر دیا۔ اور بہت سے آراء و افکار کو اپنی کتابوں میں نقل کر کے ضائع ہونے سے بچا لیا۔

۴ ــــ امام صاحب کی تصانیف کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کتابیں عام کلامی و فقہی تصنیفات سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہیں کہ ان میں اس موضوع کی طرح خشکی، پیچیدگی اور "متون" کی شان نہیں ہے۔ جن میں ہر لفظ بالعموم بند ضابطہ اور قانونی ہوتا ہے۔ ابن تیمیہؒ کی تصانیف میں سلاست زور عربیت وہ کہیں کہیں (بلا قصد) بلاغت و ادبیت اور خطابت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ان کی کتابوں کو (جو اکثر ضخیم دفتر ہیں) دلچسپ، جاندار اور پر زور بنا دیتی ہے۔ خصوصاً جب وہ سلف کے طریق کی ترجیح اور ان کی دینی و علمی و فکری فضیلت و تفوق پر بحث کرتے ہیں تو ان کے قلم میں بڑا زور ادا ان کی بحث میں "رجز" کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔[۱]

تصانیف امام ابن تیمیہؒ | الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ یہ کتاب عیسائیوں کی تردید میں ہے اور اس کی چار جلدیں ہیں۔

المنہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریہ۔ یہ کتاب شیعیت کی تردید میں ہے۔ اس کتاب میں حضرت امام نے شیعی عقائد کی تفصیل سے تردید کی ہے، اور کتاب و سنت اور اقوال صحابہ کرام کی روشنی میں شیعی الزامات کا جواب دیا ہے۔

جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم اور محقق حضرت مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف مدظلہ العالی مدیر الاعتصام کے زیر اہتمام مشہور مصری عالم محمد ابو زہرہ پروفیسر لاء کالج، فواد یونیورسٹی، مصر کی کتاب ابن تیمیہ حیاتہ وعصرہ، آراءہ وفقہہ کا اردو ترجمہ سید رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم نے کیا

[۱] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۸

اس کتاب میں مولانا محمد عطاء اللہ نے اسمائے مصنفات امام ابن تیمیہ کے عنوان کے تحت صفحہ نمبر ۷۹۸ تا ۸۳۴ تک حضرت امام کی تصانیف کی تفصیل لکھی ہے۔ پوری کی پوری تصانیف کا گننا کار سے دارد ہے۔ تاہم موضوعات کے عنوان سے مکمل تعداد میں درج ذیل ہیں۔[1]

نمبر شمار	موضوع	تعداد	نمبر شمار	موضوع	تعداد
۱	تفسیر	۱۰۲	۶	اخلاق اور زہد و تصوف	۷۸
۲	احادیث	۴۱	۷	فلسفہ و منطق پر نقد و جرح	۱۷
۳	فقہ و فتاویٰ	۱۳۸	۸	مکاتیب	۷
۴	اصول فقہ و متعلقات	۲۸	۹	متفرقات	۵۴
۵	عقائد و کلام	۱۲۶			

کل میزان = ۵۹۱

اُردو تراجم تصانیف امام ابن تیمیہؒ حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی تقریباً ۳۲ چھوٹی بڑی تصانیف کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔[2]

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے بھی امام ابن تیمیہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو ۱۹۲ صفحات پر محیط ہے۔ اور اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں بھی ڈاکٹر صاحب نے امام صاحب کی تصانیف کی تفصیل از صفحہ ۱۲۹ تا ۱۵۸ ۔ حروف تہجی کے تحت دی ہے اور صفحہ ۱۵۸ پہ فن کے لحاظ سے تفصیل دی ہے جو درج ذیل ہے۔[3]

۱۔ تفسیر = ۸۰ ۲۔ حدیث = ۴۰ ۳۔ فقہ = ۱۲۰ ۴۔ اصول فقہ = ۱۲۰
۵۔ عقائد و کلام = ۱۲۰ ۶۔ اخلاق و تصوّف = ۶۰ ۷۔ تردید فلسفہ و منطق = ۱۰
۸۔ متفرق مسائل = ۳۵ میزان = ۳۸۵

---

[1] حیات ابن تیمیہؒ ابوزہرہ صفحہ ۷۹۸ تا ۸۳۴

[2] حیات ابن تیمیہؒ صفحہ ۸۳۵

[3] حیات ابن تیمیہ برق صفحہ ۱۵۸

بحث و نظر

جناح سے ضیا تک

ایک سوال اور اُس کا جواب

(ادارہ)

سوال:- عرض ہے کہ ترجمان القرآن کے فروری اور مارچ ۱۹۸۰ء کے دو شماروں میں منیر صاحب کی تصنیف "جناح سے ضیا تک" پر جناب کا تبصرہ میری نظروں سے گزر چکا تھا۔ اِس سے قبل ترجمان ہی کے دسمبر ۱۹۷۹ء کے پرچے میں بھی اس موضوع پر جناب کی تحریر میں دیکھ چکا ہوں۔ (مارچ ۱۹۸۰ء کے بعد کے تبصرے میں نہیں دیکھ سکا، جس کا اب مجھے افسوس ہو رہا ہے)۔ اِس وقت میں متذکرہ کتاب سے جسٹس منیر صاحب کے ایک سوال اور اُس سوال پر مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے جواب کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جناب کی سہولت کے لیے کتاب کے صفحہ ۶۵ سے اصل عبارت نقل کر رہا ہوں:-

If we have this form of Government in Pakistan (Treating non-Muslims as Zimmis), will you permit Hindus to have their constitution on the basis of their religion?

Certainly I should have no objection even if the Muslims of India are treated in that form of Government as shudras and and Malishes and Manu's laws are applied to them depriving them of all share in the Government and the rights of a citizen.

قطع نظر اس سے کہ یہ سوال تحقیقاتی کمیٹی کے دائرہ تحقیق میں آتا بھی تھا یا نہیں، اس کا جو جواب مولانا مرحوم کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے، کسی ایسے شخص کے لیے ناقابل فہم ہے جو مولانا کی شخصیت سے واقف ہو اور جو ان کی تصانیف کا بغور مطالعہ کرتا رہا ہو۔ جناب کی عدیم الفرصتی کا احساس رکھنے کے باوجود میں جناب سے وضاحت کرنے کی درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ ایک چھوٹے سے حلقہ احباب میں مولانا مرحوم کا جواب بڑی اُلجھن و پریشانی کا سبب بن گیا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر صحیح صورتِ حال سے آگاہ فرمائیں گے۔

جواب:۔ محترمی و مکرمی! السلام علیکم۔ گرامی نامہ ملا۔ آپ نے تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے ایک حصے سے جو تاثر لیا وہ بھی سامنے آگیا۔

کاش کہ آپ کے سامنے وہ پورا ماحول ہوتا جس میں مذکرہ کارروائی ہوتی تھی۔ اور سامنے کے ساتھ جو مواد چھپتا تھا۔ خصوصاً مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ کے تفصیلی بیانات اور پھر ان کے بعد تحقیقاتی عدالت کی کارروائی پر شائع شدہ تبصرہ (از مرکز جماعت اسلامی) وغیرہ ساری چیزیں آپ کے سامنے ہوتیں۔ اب تو منیر صاحب کی چھاپی ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جس میں اُنھوں نے تمام باتیں اپنے نقطۂ نظر اور اپنی پسند کے مطابق مرتب کی ہیں۔

اُس وقت کی صورتِ حالات یہ تھی کہ اسلامی تحریک کی رَو آگے ہی آگے بڑھتی آ رہی تھی ــــ تحریک مطالبۂ دستورِ اسلامی، قراردادِ مقاصد کا پاس ہونا، پہلی دستوری رپورٹ کا استرداد، ۱۹۵۱ء میں علماء کے متفق علیہ ۲۲ دستوری اُصولوں کا چارٹر، دوسری دستوری رپورٹ کے خلاف کامیاب مہم، یہ تھا ماحول جس میں لادینیت پسند طاقتوں کے لیے اضطراب بڑھ رہا تھا اور جمہوری لحاظ سے وہ بے بس ہو رہی تھیں۔ ایسے میں قادیانی مسئلے کے سہارے مارشل لا سنگین تانے نمودار ہوا، گرفتاریاں ہوئیں، سزائیں ہوئیں اور اضطراباتِ پنجاب کی تحقیقات کے لیے عدالت بیٹھی جس کا سربراہ ایک ایسا جج تھا جو پاکستان کے نمبر ایک سیکولرسٹوں میں سے بھی سرکردہ اور پرُجوش بلکہ جارحیت پسند تھا۔

تحقیقاتی عدالت کی کارروائی سے اصل قادیانی مسئلہ تو حل نہ ہوا، البتہ کچھ اور کام نکالے گئے اور غالباً وہی اصل مطلوب تھے۔

— ایک یہ کہ بہ حیثیت مجموعی طبقۂ علما، کو بدنام کیا جائے، انہیں ایک ایسا جذباتی گروہ ثابت کیا جائے جسے نہ داخلی مسائل کی باریکیوں کا علم ہے، نہ خارجی حالات کی نزاکتوں کا پتہ ہے اور نہ نفاذِ اسلام کا کوئی سائنٹیفک تصور حاصل ہے۔

— دوسرے یہ کہ اسلام کے نفاذ کے لیے جو مہم چل رہی ہے وہ اگر کامیاب ہو جائے تو ایک طرف ملکی حالات خراب تر ہو جائیں گے اور دوسری طرف خارجی تعلقات اور بھارتی اور دوسرے غیر ملکی مسلمانوں کے احوال بگڑ جائیں گے۔

یہ دو باتیں خاص طور پر اہم تھیں اور رپورٹ پر یہ چھائی ہوئی ہیں۔ رپورٹ کو پڑھ کر (اور ۱۹۵۳ء میں تو روزانہ کی کارروائی کو پڑھ کر) یہ بات الم نشرح تھی کہ تحقیقاتی عدالت کے گوپھن میں رکھ رکھ کر بڑے بڑے معیاری پتھر علماء اور تحریکِ نظامِ اسلامی کو مارے گئے ہیں۔ چاروں طرف وہ عالم تھا کہ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی مرغِ قبلہ نما بھی اپنے آشیانے میں نہ بچ سکا۔ پوری کارروائی ایک زہریلی کارروائی تھی۔

کارروائی سے غلط نتائج حاصل کرنے کے لیے کئی چیزیں ذریعہ بنیں۔ مثلاً ایک یہ کہ واقعاتی امور تک بحثوں کو محدود رکھنے کے بجائے نظریاتی اور فکری بحثیں چھیڑ دی گئیں۔ نظریاتی اور فکری بحثیں کسی کتاب کے لکھنے یا کسی جلسے کے منعقد ہونے سے ختم نہیں ہوا کرتیں اور نہ عدالتوں کی کارروائیاں ان کا تصفیہ کر سکتی ہیں۔ مگر تحقیقاتی عدالت نے فکری اور نظری بحثیں اٹھا دیں اور ہر شخص کو جو سامنے آیا ان بحثوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ اس میں دو فائدے مطلوب تھے۔ ایک یہ کہ مختلف اصحاب تفصیلی بیان دیتے ہوئے مختلف باتیں کہہ دیں، اور دوسری یہ کہ کسی کی طرف سے کوئی غلط بات صادر ہو۔ بلکہ ایک تیسرا منشا بھی تھا کہ عدالتی بحثوں میں گھر کر کوئی شخص اپنے کسی سابق نظریے کو نئے قول سے منسوخ کر دے۔

عدالتی کارروائی میں توہینِ عدالت کا قاعدہ ایسا قاعدہ ہے کہ جج جو چاہے پوچھے یا کہے، آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ بات کریں تو عدالت جہاں چاہے روک سکتی ہے۔ اگر براہِ راست طریق سے نہ روکے تو بات کرتے کرتے نیا سوال چھیڑ سکتی ہے کہ اچھا آپ اس بات کو جانے دیں، ذرا اس نئے سوال پر توجہ کریں۔ اور عملاً تحقیقاتی عدالت میں ایسا ہوا اور بار بار ہوا۔ ایک طرف گواہ کھڑا ہے جو عدالت کی صوابدید کا پابند ہے، دوسری طرف جج ہے جس پر گواہ یا سامعین کوئی حد نہیں لگا سکتے۔ اس غیر مساواتی صورت

میں علمی، نظریاتی اور فکری مباحث پر مناظرے کرنا ایک ایسی زیادتی تھی جو تحقیقاتی عدالت نے کی۔ پھر ستم ظریفی یہ کہ حسب ضرورت طنز و تعریض سے کام لیا گیا۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

"دُنیا کی ہر چیز بدل سکتی ہے۔ علماء کی رائے ایک دفعہ قائم ہو جانے کے بعد نہیں بدلتی۔"
(رپورٹ ص ۲۸۲)

"یہ واقعی ایک ایسی ریاست میں بڑی اطمینان بخش بات ہے جہاں فتوے اتنے ہی ضروری نظر آتے ہیں جتنی کہ توپیں اور ٹینک" (رپورٹ ص ۲۹۱)

اب ذرا اس عدالتِ عالیہ کا اندازِ تحقیر بھی ملاحظہ ہو:

"فلاں" سرگودھا میں ایک بے حیثیت آدمی تھا، کوئی انکم ٹیکس نہیں دیتا تھا اور صرف ۲۰ کنال زمین کا مالک تھا۔" (رپورٹ ص ۳۷۴)

"تبصرہ" کا اس پر نوٹ ملاحظہ ہو:۔

"کیا آدمی کی عزت و حیثیت ناپنے کا پیمانہ بس یہ ہے کہ آدمی انکم ٹیکس دیتا ہے یا نہیں اور کتنی زمین کا وہ مالک ہے"۔ (تبصرہ۔ ص ۲۸)

تحقیقاتی عدالت نے اپنے گواہوں کی نیتوں پر بھی حملے کئے ہیں۔ مثلاً:۔

"(فلاں) اپنا حلقۂ اثر بڑھانے کی خاطر اس تحریک میں شریک ہو گیا"۔ (رپورٹ ص ۱۷۴)

اِس معزز و موقر عدالت نے تو غلط بیانی سے بھی کام لیا، لکھا ہے کہ:۔

"جماعتِ اسلامی کے مولانا مودودی اب تک یہ رائے رکھتے تھے کہ نئی مسلم ریاست اگر کبھی وجود میں آئی بھی تو اس کی شکل غیر دینی ریاست کی ہوگی"۔

(رپورٹ۔ ص ۲۰۱-۲۴۳-۲۴۴)

اب سامنے رکھ لیجیے مولانا مودودی کے ہزارہا صفحوں پر پھیلے ہوئے لٹریچر اور تقاریر اور انٹرویوز کے مجموعوں کو، اور اس عدالتی قول کی تائید میں نکالیے کوئی جملہ!

معاف کیجیے گا کہ تمہید اتنی طویل ہو گئی۔ واضح یہ کرنا مطلوب تھا کہ تحقیقاتی عدالت کی عبا اوڑھے جسٹس منیر اسلامی نظام کی تحریک پر سیکولرازم کی طرف سے ایک بھرپور وار کرنے اٹھے تھے ۔ اور فی الحقیقت اس بھرپور وار کی ناکامی ہی نے بعد کے برسراقتدار لوگوں کا دماغ قدرے درست کیا۔ حتیٰ کہ

بھٹو صاحب کے قلم سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ لکھا گیا۔ جسٹس منیر کا یہ وار نتیجے کے لحاظ سے جنگِ احزاب کی طرح کا تھا۔ یعنی اگر خدانخواستہ کامیاب ہو جاتا تو سب کچھ ملیامیٹ۔ اس کے غیر مؤثر ہونے کے بعد چھوٹے قد اور کم جرأت کے سیکولرسٹ رہ گئے۔ جسٹس منیر کی تو رگ رگ میں سیکولرازم کا عقیدہ سرایت کیے ہوئے تھا۔ اس نے مرتے مرتے اپنی آخری کاری ضرب لگانے کے لیے رپورٹ کا ملخص "فرام جناح ٹو ضیا" کے یک صد صفحات میں پیش کر دیا۔

ذرا خیال رہے کہ ایسا شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ مولانا مودودیؒ کی فکر پر ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق ایک فرضی سوال اُٹھا کر حملہ کرتا ہے۔ اسی کا جواب مولانا نے ان لفظوں میں دیا جن سے آپ کو پریشانی ہوئی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ کیسے جواب دے رہے ہیں اور کیسے پُر شرارت سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کمزوری اور لجاجت دکھانے کے بجائے ڈٹ کے کھرا کھرا جواب دیا۔ یہ جواب جن اصحاب پر واضح نہیں ہو سکا، وہ ذرا "تبصرہ" کا اُردو یا انگریزی ایڈیشن دیکھ لیں۔ اس کا یہ فقرہ آپ کی اوّلین توجہ کا مستحق ہے۔

"لیکن قوم اگر اس کے برحق اور بابرکت ہونے کا یقین رکھتی ہے تو اُسے دنیا بھر کے ہوّے کتنے ہی دکھائے، ان ہوّوں سے کچھ کام نہ چلے گا"۔ (تبصرہ ص ۱۱۴)

واضح رہے کہ یہ الفاظ مولانا کے اس درجہ (APPROVED) ہیں کہ گویا انھی کے ہیں۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مولانا کے نزدیک منیر صاحب اسلامی نظام کے قیام کے خلاف ہوّے دکھا کر ڈرا رہے تھے۔ اسی طرزِ فکر کا جواب دیتے ہوئے اُنھوں نے وہ پُر زور جملہ کہا کہ جس سے آپ کو اشکال محسوس ہوا۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہاں ایک مفروضہ خطرہ دلایا جا رہا تھا۔ اور مولانا نے اس مفروضہ خطرے کو بے معنی بنا دیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر آپ لوگ اسلام قائم کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ستارے ٹوٹ گریں گے۔ اِس پر جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ اگر آسمان بھی ٹوٹ پڑے تو بھی ہم اسلامی نظام قائم کریں گے۔ اس میں زور اسلامی نظام قائم کرنے پر ہے، اس پر نہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ بلکہ آسمان ٹوٹ پڑنے کی بات کا انداز یہ ہے کہ اے مخاطب! تم جو ستاروں کے ٹوٹ گرنے کا اندیشہ کر رہے ہو وہ بے حقیقت ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ "تبصرہ" ہی میں سے مزید متعلقہ عبارت یہاں پیش کر دوں جس میں اس حقیقت

کو آپ اور نمایاں دیکھیں گے جسے میں نے عرض کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو:

"دوسرا مسئلہ جسے اس رپورٹ میں ایک جگہ نہیں، جگہ جگہ چھیڑا گیا ہے اور بڑی اہمیت دی گئی ہے، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت کا مسئلہ ہے، کیونکہ رپورٹ کی شہادت کے مطابق سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی اور کلیدی مناصب سے قادیانی افسروں کو ہٹائے جانے کا مطالبہ اسی مسئلے پر مبنی ہے، اور اس کی جڑ کاٹنے کے لیے اس کی جڑ کاٹنا ضروری ہے"

(تبصرہ ۔ ص ۱۱۱)

چنانچہ رپورٹ میں عدالت کے ریمارکس کا خلاصہ یوں بیان ہوا ہے:۔

"وہ اس کا یہ خوفناک نتیجہ ہمارے سامنے لا کر رکھتے ہیں کہ "پھر غیر مسلم بھی اپنے ہاں مذہبی حکومت قائم کریں گے اور اپنی مسلمان رعایا کو بھی پوزیشن دے کر انہیں حکومت میں حصہ لینے کے تمام حقوق سے محروم کر دیں گے" (رپورٹ ص ۲۱۲ تا ۲۱۴)

"بلکہ ہندوستان میں تو مسلمان شودر اور ملیچھ بن کر رہیں گے اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں ۳۰ کروڑ مسلمانوں کا کام بس لکڑیاں کاٹنا اور پانی بھرنا رہ جائے گا"

(رپورٹ ص ۲۲۸)

اور لیجیے :۔

"علما نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا کہ ان کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ مسلمانوں کا دوسرے ملکوں میں کیا حشر ہوتا ہے، بشرطیکہ ان کے اپنے ٹھپے[1] کا اسلام یہاں رائج ہو جائے ۔ یہ بات کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو تو کیا، ذرا سی جھجک تک نظر نہ آئی ۔ اس کی محض ایک مثال امیر شریعت کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ بقیہ ۴ کروڑ مسلمان (تعداد ان کی اپنی دی ہوئی ہے رپورٹ) اپنی قسمت کی آپ فکر کریں" (رپورٹ ص ۲۹۹)

ان اقتباسات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چیف سیکولرسٹ آف پاکستان کا حملہ اسلامی ریاست کے تصور پر کس درجہ شدید اور پُر جذبات تھا ۔ اس پر "تبصرہ" میں پہلے تو مجملاً یہ کہا گیا ہے کہ "عدالت کے اپنے

---

[1] رپورٹ نگار کے ذہن کا یہ خاص رنگ ملاحظہ کیجیے ۔

پھٹے کا اسلام بھی وہی کچھ ہے جو علماء کے پھٹے کا اسلام ہے"۔ اس قول کی وضاحت کی گئی ہے ۔ بعد ازاں غیر ملکی مسلمانوں کے سلسلے میں عدالت کے نقطۂ نظر پر بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کے اقتباسات پیش خدمت ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں رپورٹ کچھ اس قسم کا تصور پیش کرتی ہے کہ گویا دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی پوزیشن مبادلے (EXCHANGE) کے اصول پر مبنی ہے کہ جو سلوک ایک مسلمان ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ ہوگا وہی اس کے بدلے میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم ریاستوں میں ہوگا ۔ حالانکہ اجتماعی زندگی کے قوانین کو دیکھتے ہوئے یہ بداہتہً غلط معلوم ہوتا ہے اور عملی مشاہدات کے خلاف ہے ۔ ہر ملک میں ہر عنصر آبادی کی پوزیشن اس کی اپنی ہی تاریخ اور اس کے اپنے ہی اجتماعی حالات سے متعین ہوتی ہے ۔ ایک جگہ کے مسلمان اگر اپنے تاریخی و تمدنی حالات کے لحاظ سے گرے ہوئے ہوں تو ہیزم کش اور آب رساں ہی بن کر رہیں گے، خواہ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کو آپ زرگر اور آب حیات نوش ہی کیوں نہ بنا کر رکھیں اور اس کے برعکس اگر کسی ملک کے مسلمان اپنی کوئی قومی طاقت اور وقعت رکھتے ہوں تو ان کی پوزیشن آپ کے کسی فعل سے کچھ بھی متاثر نہ ہوگی ۔ ترکی میں عثمانی حکومت نے مدت ہائے دراز تک غیر مسلموں کو جو امتیازی مراعات عطا کیں ان کا کوئی بدلہ بھی مغربی قوموں کے غلام مسلمانوں کو نہ مل سکا اور آج مشرقی بنگال میں جو امن ہندوؤں کو حاصل ہے اس کا کوئی معاوضہ ہندوستان کے وہ مسلمان نہیں پا رہے ہیں جن کی کھیپ کی کھیپ ہر روز کھوکھرا پار سے چلی آتی ہے ۔ لہٰذا یہ مبادلے کا تصور محض ایک سطحی تصور ہے ۔

پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ ہمارے فاضل جج غالباً مذہب کو بھی ایک جنس مبادلہ سمجھتے ہیں کہ جہاں ہم نے اپنے مذہب پر عمل کیا اور بس دوسرے فوراً آستینیں چڑھا کر کہیں گے کہ اچھا اب ہم اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں ۔ لہٰذا اگر دوسروں کو ان کے مذہبی رویے سے روکنا ہے تو ان کے سامنے لین دین کا یہ معاملہ کر لو کہ آؤ بھائیو تم اپنا مذہب چھوڑ دو، ہم اپنے مذہب کو طلاق دیے دیتے ہیں ۔"

("تنقیحات" ص ۱۱۱ تا ۱۱۴)

افہام و تفہیم کے لیے مزید یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"شہریت کے چند دستوری حقوق لے کر اگر کوئی آبادی وہ زندگی بسر کرے جو ہندوستان

میں مسلمان، امریکہ میں حبشی اور روس میں غیر اشتراکی لوگ بسر کر رہے ہیں تو اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ایک آبادی کو بہ چند حقوق نہ ملیں مگر اس کی جان، مال، عزت، آبرو اور آزادیٔ عمل محفوظ ہے۔ سیاست کے سوا ہر شعبۂ زندگی میں اس کے لیے ترقی و خوشحالی کے سارے راستے کھلے ہوں۔ قانون کی نگاہ میں اس کے حقوق و واجبات دوسرے تمام عناصر کے بالکل برابر ہوں اور انتظامی حکومت کے برتاؤ یا معاشرتی زندگی کے رویے میں اس کو کہیں بے انصافی، امتیازی سلوک یا تذلیل و تحقیر سے سابقہ پیش نہ آئے۔"

ذرا آگے کا ایک اقتباس اور:۔

"مگر کارروائی اور بحث کی طنابیں کھنچتے کھنچتے اتنی دور جا پہنچی ہیں کہ اس تاریخی دستاویز کو پڑھ کر ہندو، عیسائی، اچھوت متوحش ہو جائیں گے کہ اب یہاں پاکستان میں ہماری پوزیشن یہ بننے والی ہے۔ پورا ہندوستان متوجہ ہوگا کہ اچھا اب یہ سلوک پاکستانی ہندوؤں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ دنیا بھر کے ملک کان کھڑے کریں گے کہ مسلمان حکومت پاتے ہی اپنے زیر دست غیر مسلموں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کی تجویزیں سوچ رہے ہیں۔ اور ان تاثرات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ علماء (اگرچہ یہ حلقہ ایسا ہے کہ اس کی عزت اور ساکھ ہر ایک کے لیے مباح عام ہے) خود اسلام اور اسلامی دستور بالکل بدنام ہو کر رہ جائیں گے اور پاکستان کے غیر مسلموں، ہندوستان والوں اور بین الاقوامی حلقوں کی طرف سے احیائے اسلام کی ہر کوشش کی مزاحمت ہوتی رہے گی۔" ("تبصرہ" ص ۱۱۷)

اِن طویل اقتباسات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ آپ کے حوالہ دیے ہوئے مختصر سے سوال کے پیچھے کیا طرزِ فکر چھپا ہوا تھا۔ اور اس کا اصل ہدف کیا تھا؟

واضح رہے کہ تبصرہ سے میں نے جو استدلال نقل کیا ہے، اُسے گواہ (چاہے مولینا مودودی ہوں) آزادی سے عدالت میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں، متعین سوالات کے متعین جوابات طلب کیے جاتے تھے اور بات کو کہیں بھی روک دیا جاتا تھا یا نیا مبحث چھیڑ دیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ تحقیقاتی عدالت کے اٹھائے ہوئے سوال کا مقصد ایک ہوّا سامنے لانا تھا کہ اگر تم نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا اور ان کے افراد کو کلیدی مناصب سے ہٹایا اور پھر اس اصول کو دوسری

اقلیتوں پر نافذ کیا تو بس یوں سمجھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت آجائے گی۔ حالانکہ پاکستان میں ہندوؤں کے پورے تحفظ بلکہ ناز برداریوں کے باوجود بھارت کے مسلمانوں پر ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک مسلسل قیامت ہی گزر رہی ہے۔ اس تبصرے کے جواب میں مولانا نے وہ جواب دیا جس کے بارے میں آپ کو پریشانی ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم نماز روزہ اس بنا پر چھوڑ سکتے ہیں کہ کسی دوسرے ملک کے مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا جائے گا؟ کیا قرآن پڑھنے سے اس اندیشے کی بنا پر باز رہ سکتے ہیں کہ کسی دوسرے ملک میں قرآن کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے گا؟

کیا ہم نفاذِ شریعت اور اجرائے حدود اور انسدادِ منکرات و فواحش کے احکام کی تعمیل اس خوف سے روک دیں گے کہ کسی دوسرے علاقے میں مسلمانوں کو پھانسیوں پر چڑھا دیا جائے گا؟

سوال کرنے والا ذہن غلبۂ اسلام چاہنے والا نہیں، بلکہ نفاذِ اسلام کو رکوانا چاہتا ہے۔ اس نے سوال ایک الجھن پیدا کرنے کے لیے اٹھایا ہے۔ اس الجھن کا جواب دینے والے نے یکسر صفایا کر دیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو شودر اور ہیزم کش اور آب رساں بھی بنا دیا جائے (جو سراسر ایک غیر امکانی مفروضہ تھا) تو بھی ہمیں اسلامی ریاست قائم کرنی ہے اور اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا وہی مقام ہوگا جو خود خدا اور رسولؐ نے طے کیا ہے۔ مولانا مودودی اس کے بخلاف اگر کوئی کمزور بات کہتے تو اپنے مقصد کو سخت نقصان پہنچاتے اور اس وقت اُن کے خلاف ایک زوردار ذہنی رَو اُٹھ کھڑی ہوتی۔

یہ جو آپ نے "شودر" اور "ہیزم کش" اور "آب رساں" کے انتہا پسندانہ الفاظ دیکھے ہیں۔ یہ مسند نشینانِ عدالت ہی کے استعمال کردہ تھے۔ وہ اگرچہ سوال مندرجہ میں بیان نہیں ہوئے، مگر کارروائی کی عدالتی فضا میں موجود تھے اور گواہ اُن سے آشنا تھا۔ لہٰذا اُس نے ان ہوّوں کو بے معنی بنانے کے لیے انہیں بھی اپنی گفتگو میں شامل کر لیا۔

آخر میں میں یہ کہوں گا کہ اگر یہ طویل عریضہ اطمینان کے لیے کافی نہ ہو تو ایک تو آپ تحقیقاتی عدالت میں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے چاروں بیان پڑھیں، دوسرے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ (جماعت اسلامی) ملاحظہ فرمائیں۔ یہ مطالعہ مفید رہے گا۔ (ادارہ)

رسائل و مسائل

جہادِ اکبر و جہادِ اصغر

عاصم نعمانی

سوال:۔ سورۃ الحج کی آخری آیت: وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودیؒ نے بغیر حوالے کے ایک حدیث نقل کی ہے، "قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ مِّنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ" اس پر ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اس کے حدیث ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف پڑتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ...... فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا۔

براہ مہربانی اس کی وضاحت فرمایئے۔ اگر مذکورہ بالا فی الواقع حدیث ہے تو اس کا حوالہ کیا ہے اور مذکورہ آیت کے پیش نظر اس کا مفہوم کیا ہے۔

جواب:۔ آپ کے سوال کا جواب درج ذیل ہے۔ پہلے آپ حدیث مذکورہ کا پورا متن ملاحظہ فرمائیں اور ساتھ ہی حوالہ جات۔ پھر اس کی تشریح کی جائے گی اور مفسرین کی آراء پیش کی جائیں گی۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ غُزَاةٌ فَقَالَ قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ، قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ...... مُجَاهَدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجاہدین کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضورؐ نے اُن کا خیر مقدم کیا اور فرمایا! تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آگئے ہو، آدمی کا خود خواہشِ نفس کے خلاف جد وجہد کرنا بڑا جہاد ہے۔

یہ حدیث کنز العمال کی کتاب الجہاد میں موجود ہے اور حدیث کی مشہور کتاب الدیلمی میں بھی ہے مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں سورہ الحج کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس حدیث کو البیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر رُوح المعانی میں سورہ الحج کے اسی مقام کے ذیل میں یہ حدیث درج کی ہے۔ اور انہوں نے بھی اسے البیہقی سے لیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ ——— فی اسنادہ ضعف مغتفر فی مثلہ ——— یعنی اس کے اسناد میں ضعف ہے لیکن اس قسم کی حدیثوں کا ضعف قابلِ برداشت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس حدیث کا مضمون صحیح ہو اور درایۃً کوئی نقص نہ ہو اور بعض دوسری احادیث اس مضمون کی تائید کرتی ہوں، تو ایسی حدیث کے روایتاً ضعف سے چشم پوشی کی جاتی ہے گی۔ زیر بحث حدیث کے مضمون پر ہم آگے بحث کر رہے ہیں۔

علامہ زمخشریؒ نے تفسیر کشاف میں اور امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں سورہ الحج کے اسی مقام پر اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ البتہ اس کے الفاظ قدرے مختلف ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً وہ دوسری حدیث ہے مگر ان دونوں بزرگوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:-

وَلَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ قَالَ: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ -

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آگئے ہیں)۔

یہی الفاظ صاحب کشاف نے ذکر کیے ہیں۔ البتہ انہوں نے غزوہ تبوک کے بجائے ——— انہ رجع من بعض غزواتہ ——— کے الفاظ لکھے ہیں۔ یعنی حضورؐ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو مذکورہ بالا الفاظ بیان فرمائے۔

اب ہم حدیث زیر بحث کے نفسِ مضمون کی طرف آتے ہیں اور مفسرین کی آراء پیش کرتے ہیں:
جہادِ اکبر سے مراد اپنی خواہشاتِ نفس کے خلاف جہاد ہے۔ آدمی کا اپنا نفس امارہ ہر وقت خدا سے بغاوت پر اکساتا رہتا ہے۔ اور ایمان و اطاعت کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جب تک اس اندر کے دشمن کو زیر نہیں کیا جائے گا۔ آدمی باہر کے کسی جہاد کے لیے آمادہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ مُجَاهِدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ (یعنی آدمی کا اپنی خواہشاتِ نفسانی کے خلاف جہاد) ہمہ وقتی بھی ہے اور ہر جائی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لیے "جہادِ اکبر" کے الفاظ بیان فرمائے گئے ہیں۔ اکبر کا لفظ کمیت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کیفیت کے اظہار کے لیے لفظ "افضل" بولا جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کفار سے قتال کرنا، زخم کھانا، یہاں تک کہ جان تک اس راہ میں قربان کر دینا اور مقامِ شہادت پر فائز ہو جانا یقیناً افضل ہے۔ مگر وہ وقتی اور ہنگامی جہاد ہے۔ اور مجاہدۂ نفس اکبر جہاد ہے۔ کیونکہ یہ ہمہ وقتی اور ہر جائی ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ قتال میں جہاں ایک مومن اسلحہ جنگ کے لیے برسرِ پیکار ہوتا ہے، مجاہدۂ نفس وہاں بھی جاری رہتا ہے۔

اب مفسرین کی آراء ملاحظہ کیجیے:۔
جَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ (سورہ الحج آخری آیت)۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں:۔

> "حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ہے کہ یہاں جہاد سے مراد اپنے نفس اور اس کی بے جا خواہشات کے مقابلے میں جہاد ہے۔ اور یہی حق جہاد ہے۔ امام بغویؒ وغیرہ نے اس قول کی تائید میں ایک حدیث بھی حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے۔"

آگے وہی حدیث نقل کی ہے جو ہمارے زیر بحث ہے اور جس کے حوالہ جات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا ہے اور آخر میں لکھا ہے، والاولی ان یحمل ذالک علی کل التکالیف فکل ما امر بہ ونہی عنہ فالمحافظۃ علیہ جہاد۔ وہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس

جہاد کو ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کے ادا کرنے پر شمول کیا جاتا ہے، جن کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے۔

تفسیر النسفی (مدارک) میں ہے: جَاهِدُوا...... أَمْرٌ بِالْغَزْوِ وَبِمُجَاهَدَةِ النَّفْسِ وَالْهَوٰى وَهُوَ الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ أَوْ هُوَ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ أَمِيرٍ جَائِرٍ۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاد سے مراد جنگ کرنا ہے یا مجاہدہ نفس اور خواہشاتِ نفس کے خلاف جہاد کرنا مراد ہے اور یہ جہاد اکبر ہے یا ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا...... کے تحت لکھتے ہیں: هُوَ جِهَادُ النَّفْسِ وَهُوَ الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ (العنکبوت آخری آیت)

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ...... أَمْرٌ بِالْغَزْوِ وَبِمُجَاهَدَةِ النَّفْسِ وَالْهَوٰى وَهُوَ الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ۔ یہ وہی عبارت ہے جو تفسیر مدارک کے حوالے سے درج ہو چکی ہے۔ آگے صاحب کشاف نے زیر بحث حدیث نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کشاف سورہ الحج کی آخری آیت کی تفسیر

سید قطب شہید اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں سورہ الحج کی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ...... وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَشْتَمِلُ جِهَادَ الْأَعْدَاءِ وَجِهَادَ النَّفْسِ، وَجِهَادَ الشَّرِّ وَالْفَسَادِ...... كُلُّهَا سَوَاءٌ۔ یعنی اس آیت میں جہاد اور حقِ جہاد سے مراد دشمن کے ساتھ جہاد بھی ہے۔ نفس کے ساتھ بھی اور شر و فساد کے خلاف بھی۔

مفسرین کی ان تشریحات کے آخر میں سید مودودیؒ کی تشریح بھی قابل ملاحظہ ہے اور وہ یہ ہے:

"مجاہدہ" کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں کش مکش اور جدوجہد کرنے کے ہیں اور جب کسی خاص طاقت کی نشان دہی نہ کی جائے، بلکہ مطلقاً مجاہدہ کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی کش مکش ہے۔ مومن کو اس دنیا میں جو کش مکش کرنی ہے اس کی نوعیت یہی کچھ ہے۔ اسے شیطان سے بھی لڑنا ہے جو اس کو ہر آن نیکی کے نقصانات سے ڈراتا ہے بدی کے فائدوں اور لذتوں کا لالچ دلاتا رہتا ہے۔

اپنے نفس سے بھی لڑتا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لیے زور لگاتا رہتا ہے۔ اسے گھر سے لے کر آفاق تک کے اُن تمام انسانوں سے بھی لڑنا ہے، جن کے نظریات، رجحانات، اصولِ اخلاق، رسم و رواج، طرزِ تمدن اور قوانینِ معیشت و معاشرت دینِ حق سے متصادم ہوں اور اُس ریاست سے بھی لڑنا ہے جو خدا کی فرمانبرداری سے آزاد رہ کر اپنا فرمان چلائے اور نیکی کے بجائے بدی کو فروغ دینے میں اپنی قوتیں صرف کرے۔ یہ مجاہدہ ایک دو دن کا نہیں، عمر بھر کا ہے۔ اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر لمحہ کا ہے۔ اور کسی ایک میدان میں نہیں، زندگی کے ہر پہلو میں، ہر محاذ پر ہے۔ اسی کے متعلق حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔ ان الرجل لیجاھد وما ضرب یوما من الدھر بسیف "آدمی جہاد کرتا ہے خواہ کبھی ایک دفعہ بھی وہ تلوار نہ چلائے"۔

(تفہیم القرآن، سورہ العنکبوت حاشیہ ۸)

محدثین اور شارحینِ حدیث کی شرحیں بہت طویل ہیں۔ چند ایک پر اکتفا کی جاتی ہے جس سے اس کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

امام بخاریؒ نے کتاب الرقاق میں باب باندھا ہے۔

"من جاھد نفسه فی طاعة الله"

اس کے تحت امام حجر لکھتے ہیں:۔

والمراد بالمجاھدة کف النفس عن ارادتها من الشغل بغیر العبادة وبھذا تظھر مناسبة الترجمة لحدیث الباب۔ و قال ابن بطال: جھاد المرء نفسه ھو الجھاد الاکمل۔ قال الله تعالیٰ: واما من خاف مقام ربه ونھی النفس عن الھوی فان الجنة ھی الماوی۔ (فتح الباری، ج ۱۱ ص ۲۸۹)

وہ کہتے ہیں کہ مجاہدہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی عبادت کے علاوہ دوسرے مشاغل میں پڑنے سے اپنے آپ کو روکے۔ حدیث کے عنوان سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ابن بطال نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آدمی کا اپنے نفس کے خلاف جہاد، جہادِ اکمل ہے اور بطور استدلال

قرآن کریم کی آیت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ہے! "جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف کیا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگا"

(سورہ نازعات - ۴۰ - ۴۱)

ارشاد الساری شرح بخاری میں ہے - اسی مذکورہ بالا عنوان کے تحت وہ کہتے ہیں:-

وَمطَابِقَةُ الحَدِيثِ لِلتَّرجَمةِ مِن جِهَةِ اَنَّ فِيهِ مُجَاهِدَةَ النَّفسِ فِي التَّوحِيدِ وَجِهَادُ المَرءِ نَفسَهُ هُوَ الجِهَادُ الاَكبَرُ- قال تعالى وَ اَمَّا مَن خَافَ...... (سورہ نازعات کی مذکورہ بالا آیت) ۔

آگے لکھتے ہیں:

واصل المجاهدة وملاكها فطم النفس عن المألوفات و حملها على خلاف هواها في عموم الاوقات-

کہتے ہیں کہ امام بخاری کے ترجمۂ باب سے ظاہر ہوتا ہے کہ توحید پر اپنے آپ کو قائم رکھنا مجاہدہ ہے اور اس پہلو سے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہی جہاد اکبر ہے۔ دلیل میں قرآن کریم کی وہی آیت درج کی ہے جس کو امام ابن حجر نے بھی اپنی دلیل بنایا ہے۔

ترمذی شریف میں فضائل جہاد میں حدیث ہے۔

عن فضالة بن عبيد قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اَلمُجَاهِدُ مَن جَاهَدَ نَفسَهُ -

اس پر مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے "جَاهَدَ نَفسَهُ" کے نیچے لکھا ہے: هٰذا هُوَ الجِهَادُ الاَكبَرُ-

اسی حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے "تحفۃ الاحوذی" کے الفاظ یہ ہیں:"

"جَاهَدَ نفسه" اى قهر نفسه الامارة بالسوء على ما فيه رضا الله من فعل الطاعة وتجنب المعصية وجهادها اصل كل جهاد فانه ما لم يجاهدها لم يمكنه جهاد العدو الخارج -

(تحفة الاحوذى جلد ثالث ص ۲)

کہتے ہیں کہ جاھد نفسہ سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کو ایسے کاموں پر بجبر لگائے رکھنا جن میں رضائے الٰہی کا حصول ہو اور گناہوں سے بچائے رکھنا۔ یہ جہاد اصلی جہاد ہے اس لیے کہ یہ جہاد کر کے نفسانی خواہشات کو مغلوب نہ کیا گیا ہو تو دشمن کے ساتھ جہاد ممکن نہیں ہے۔

اسی سے ملتی جلتی عبارت "کوکب الدری" میں بھی ہے جو ترمذی پر مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کی تقریر ہے۔

سوال میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی طرف منسوب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں زیر بحث حدیث، حدیث نہیں ہے۔ ہم نے فتاویٰ عزیزی اصل فارسی منگوا کر دیکھا ہے۔ اس میں حضرت شاہ صاحب مرحوم ایک سوال کے جواب میں حدیث رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

این کلام در کتب صوفیہ بسیار مستعمل است و نزد ایشان حدیث نبوی است بلکہ در کلام بعضے علماء محدثین نیز این عبارت در مقام استشہاد بر افضلیت جہاد نفس دیدہ شدہ۔ لیکن در کتابے از کتب حدیث یاد نیست کہ دیدہ باشم۔

عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب مرحوم نے اس کے حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا، بلکہ یہ کہا ہے کہ حدیث کی کسی کتاب میں مجھے یاد نہیں ہے کہ دیکھی ہو۔ البتہ وہ فرماتے ہیں کہ علماء محدثین کے کلام میں انہوں نے اسے دیکھا ہے، گویا محض صوفیہ کی کتابوں میں نہیں۔ محدثین کی کتابوں میں بھی انہوں نے یہ حدیث دیکھی ہے۔ آگے شاہ صاحب خود اس حدیث کی تشریح کرتے ہیں، اور صحیحین کی حدیث المجاهد من جاهد نفسه کو اس کی تائید میں بیان فرماتے ہیں — ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج اوّل۔

اس لیے شاہ صاحب مرحوم کی طرف اس حدیث سے انکار کا انتساب درست نہیں ہے۔

رہا امام ابن تیمیہؒ کا اس حدیث کے بارے میں عدم ثبوت کا معاملہ تو اس پر ہم گفتگو کرنے کی پوزیشن میں اس لیے نہیں ہیں کہ ہمیں ان کی وہ کتاب حاصل نہیں ہو سکی جس میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث پر بحث کی ہے۔ بہرحال ہم اپنی بات احادیث اور تفاسیر کے حوالوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔

لیکن جہاں تک جہادِ نفس کی اہمیت کا تعلق ہے، جس کی بنا پر اُسے جہادِ اکبر قرار دیا گیا ہے، اس پر امام ابن تیمیہؒ کے لائق شاگرد علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "المفوائد" میں اس کی تشریح فرمائی ہے، ملاحظہ ہو:-

قال تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا -
عَلق سبحانه الهداية بالجهاد - فاكمل الناس هداية اعظمهم جهاداً وافرض الجهاد النفس وجهاد الهوى وجهاد الشيطان و جهاد الدنيا - فمن جاهد هذه الاربعة فى الله هداه الله سبل رضاه الموصلة الى جنته و ترك الجهاد فاته من الهدى بحسب ما عطل من الجهاد - قال جنيد والذين جاهدوا اهواءهم فينا بالتوبة لنهدينهم سبل الاخلاص ولا يتمكن من جهاد عدوه فى الظاهر الا من جاهد هذه الاعداء باطناً فمن نصر عليها نصر على عدوه ومن نصرت عليه نصر عليه عدوه" ___ الفوائد لابن قیم -

فصل اتقوا الله واجملوا فى الطلب فائدہ ۲۰

مفہوم اس عبارت کا یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں، ہم انہیں ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ہدایت کو جہاد کے ساتھ معلق کیا ہے۔ پس جو آدمی جہاد میں جتنا باعظمت ہوگا ہدایت میں بھی اتنا ہی کامل ہوگا۔ جہاد کی فرضیت میں نمبر ایک پر جہادِ نفس ہے۔ پھر ہوائے نفسانی کے خلاف جہاد ہے۔ پھر شیطان کے ساتھ جہاد ہے۔ اور پھر دُنیا کے ساتھ۔ پس جس نے ہر چہار جہاد کیے اللہ کی خاطر تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی خوشنودی تک پہنچنے کی راہ دکھائے گا اور جنت کی رہنمائی فرمائے گا۔ اور جس نے جس حد تک انہیں ترک کیا، اسی حد تک ہدایت سے محروم رہا۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں (اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے) کہ جنہوں نے خواہشاتِ نفسانی کے خلاف جہاد کیا اور توبہ کی ہم اُن کے دلوں میں اخلاص پیدا کر دیں گے۔ اور جو متذکرہ

چار باطنی دشمنوں کے خلاف مجاہدہ نہ کرے وہ ظاہری دشمن کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ پس جس نے ان پوشیدہ چار دشمنوں پر غلبہ پالیا وہ ظاہری دشمن (کفار و مشرکین) پر بھی غالب رہے گا۔ اور جو ان چاروں کے مقابلے میں مغلوب ہوگیا۔ وہ کفار کے جہاد میں بھی مغلوب ہو جائے گا۔

سوال میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اپنے مفہوم و مدعا میں بالکل واضح ہے:۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ النساء: ۹۵

(اللہ تعالیٰ کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا بدلہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے)

ہم نے اب تک جو بحث کی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد اجنگ کرنے سے محض جہادِ نفس افضل ہے۔ ہماری بحث کا مقصد جیسا کہ شروع میں واضح کیا گیا ہے یہ ہے کہ جہاد نفس ہمہ وقتی، ہمہ جہتی اور قتال فی سبیل اللہ کا پیش خیمہ ہونے کی بنا پر جہاد اکبر ہے۔ اور حدیث میں مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر ہی کہا گیا ہے۔ جہاد افضل نہیں کہا گیا۔ یہ جہاد اکبر بھی اس صورت میں ہے جب کہ قتال سے گریز پیش نظر نہ ہو، بلکہ یہ تو قتال کی تیاری[1] کے لیے مطلوب ہے۔ قتال فی سبیل اللہ سے گریز اور فرار کی صورت میں یا تو آدمی منافق ہوتا ہے یا نفاق کا مریض۔ امام مسلمین کی طرف سے جہاد کے لیے نفیرِ عام کی صورت میں پہلوتہی کرنا ایمان کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔ اس آیت میں ان بیٹھنے والوں کا ذکر ہے جو جہاد کے فرضِ کفایہ ہونے کی صورت میں میدانِ جنگ میں جانے کے بجائے دوسرے نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں۔

---

[1] جہاد کے لیے تیاری جہاد ضروری ہے، اسی وجہ سے تیاریٔ جہاد بھی جہاد میں داخل ہے۔ تیاریٔ جہاد کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ سپاہی کو اسلحہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ عسکری نقل و حرکت کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، جنگی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ اور بسا اوقات اس کام میں لمبی مدت کھپ جاتی ہے۔ یہ سب جہاد ہے۔ اسی طرح دوسری قسم کی تیاریٔ جنگ یہ ہے کہ نہ صرف ایک مسلمان گروہ کو نظم و ضبط اور اطاعتِ امر کی تربیت دی جائے بلکہ اس میں ایمان و اعتقاد کو مضبوط بنایا جائے، اس میں دیانت و امانت پیدا کی جائے، اسے تعلق باللہ کی صفت سے آراستہ کیا جائے۔ اس میں تقویٰ کا مادہ پیدا ہو، اسے اپنی خواہشات و جذبات پر قابو حاصل ہو۔ تیاریٔ جہاد کا یہ پہلو زیادہ کٹھن ہے اور بالعموم زیادہ وقت لیتا ہے۔ اس دوسری تیاری کو علی الخصوص جہاد اکبر کہا گیا ہے یعنی بڑی لمبی اور مشکل لڑائی (ف۔س)

مطبوعات

ہوائے طیبہ | از قاضی عبدالرحمٰن ۔ ناشر: آئینۂ ادب، چوک مینار انارکلی، لاہور۔ صفحات ۹۶ قیمت ۱۵/ روپے

اس کتاب کے طباعتی معیار کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ یہ قاضی صاحب کے حمدیہ و نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ قاضی صاحب نے تعلیم و تدریس میں عمر گذاری اور ۱۹۶۹ء میں بطور ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔ تعارف کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے مرکز حکومت کا نام "اسلام آباد" انہی کا تجویز کردہ ہے۔

چند سال سے نعت گوئی کا جو دَور شروع ہوا ہے اُس میں بڑی تیزی سے متعدد نعتیہ مجموعے سامنے آئے۔ ہوائے طیبہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

میرے سامنے ایک طرف حفیظ تائب کی یہ مطبوعہ رائے ہے کہ قاضی صاحب "مولانا ظفر علی خاں کے رنگِ نعت سے متاثر ہیں اور اس مجددِ نعت سے اکتسابِ فیض کرنے کی بدولت اُن کے نعتیہ کلام میں نوادر الکلامی اور جدّت و ندرت موجود ہے"۔ احسان دانش فرماتے ہیں: "اِس کتاب میں قاضی صاحب کی محبت اور عقیدت کا رنگ شعری صورت میں اظہار ہوا ہے"۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ قاضی صاحب کی نعتوں میں والہیت کا رنگ غالب ہے۔ مثلاً "وہ آئے تو آئی بہار اللہ اللہ"۔ حضورؐ کے کردار کی عظمتوں کی جھلک بھی ہے اور ناسازگاریٔ احوال کی فریاد بھی۔ حضورؐ کے در کی گدائی کا جذبہ بھی جابجا ملتا ہے۔ خصوصاً ہندی طرز کا گیت خوب ہے ایک مصرعہ ہے:

ع "خالی ہے کشکول، سکھی ری! نام محمدؐ بول!"

زمزمۂ حق | حافظ محمد ظہور الحق ظہور ۔ ناشر: کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی

صفحات: ۱۲۸ ۔ قیمت: ۷/ روپے

یہ کتاب پہلے کی مطبوعہ ہے اور ۱۹۷۶ء سے دفتر کے انبارِ کتب میں پڑی رہی۔

میں نے اسے پڑھا تو بہت متاثر ہوا۔ سیکولر ادبی فضا کے لحاظ سے بہت سے "غیر شاعرانہ" موضوعات پر مؤثر شاعری کی گئی ہے مثلاً علاوہ اس کے کہ خدا کی حمد و مناجات اور سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۂ اخلاص کا منظوم ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ توحید کی تجلیاں بھی خوب نکھاری گئی ہیں۔ مثلاً یہ مصرعہ: "ہمارا فقط ہے خدا غوثِ اعظم"۔ ص ۳۹ سے ۶۸ تک تذکرۂ رسالتمآب ؐ ہے۔ اس نعتیہ حصے میں بھی شاعری کے قلم نے بڑی گلفشانیاں کی ہیں۔ مثلاً یہ مصرعہ: "تو عظمتِ انسان کا نگہباں نظر آیا"۔

پھر "اصحابی کالنجوم" اور "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے باب میں ایمان پرور نظمیں ہیں۔ آخری حصہ "ارض پاک" کے زیرِ عنوان ہے، جس میں پاکستان کے ظہور، اس کے واقعاتِ ماضی اور مستقبل کے عزائم کا بیان ہے۔ آخری نظم ارادے کا ایک شعر ؎

جو شمعیں ہو گئیں خاموش طوفانِ حوادث سے
انہیں دل کے لہو سے پھر فروزاں کر کے چھوڑیں گے

حافظ ظہور صاحب کے اس مجموعے ہی کو نہیں، ان کے مجموعی فن کو اسلامی ادبیات میں عزت کا مقام ملنا چاہیے۔

طباعتی معیار رائج الوقت سطح سے کم تر ہے۔

معروضاتِ اظہر — محمد اظہر ربال۔ ناشر: بزم شہید برادران ربال، سب پوسٹ آفس سیگل آباد، تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ صفحات ۱۱۰۔ قیمت ۱۲/- روپے۔

شاعر اور اس کی کتاب کا تعلق تعلیمی لحاظ سے ایک پسماندہ ضلع کے ایک گاؤں سے ہے۔ میرے گاؤں کا پڑوسی گاؤں ہے، چوہدری محمد خان اظہر صاحبِ ایمان و شعور ہیں اور دلِ دردمند رکھتے ہیں وہ دو شہید بیٹوں (ضمیر و طارق منہاس) کے والد ہونے کے اعزاز سے بہرہ مند ہیں۔ دین کی محبت، ملت کے غم اور وطن کے درد نے مل جل کر ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو جلا دی ہے۔ انہی جذبات کا شاعرانہ اظہار اس مجموعہ کلام میں ہے۔ افسوس ہے کہ تفصیلی تبصرہ ممکن نہیں۔ شاعر نے صدرِ پاکستان تک سے یہ خراجِ تحسین وصول کر لیا کہ "یہ نظمیں واقعی قومی فلاح و اصلاح کے درد میں ڈوب کر لکھی گئی ہیں۔" دراصل کتاب پر ایک طویل نظم وطن کی پکار حاوی ہے، جس میں تاریخی حوادث کے بیان کے

ساتھ قوم کو مستقبل کے لیے چونکایا گیا ہے۔ بقیہ دو تین نظمیں بھی اسی نظم سے ہم آہنگ ہیں۔ اختتامی نظم "التجا" (بحضور سرورِ کائنات) ہے۔ کتاب کا طباعتی معیار مصنف اور ناشر کے دور افتادہ علاقے کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

پاکستان کی اسلامی اساس از پروفیسر محمود بریلوی۔ پتہ: قیصر منزل، پلاٹ ۴۴/۴۳/۴۲ کالابورڈ اے ایریا - ملیر کالونی - کراچی ۳۷ - سفید کاغذ، خوبصورت ٹائیٹل، صفحات: ۴۳،
قیمت ۲۰/- روپے۔

پروفیسر صاحب کی دوسری کتاب روداد پاکستان کی ہم موضوع کتاب ہے۔ تعارف کے لیے بہتر ہیں سطور خود مؤلف ہی سے مستعار لیتا ہوں۔ لکھتے ہیں — "یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ ہم نئی نسل کو پوری طرح باخبر رکھیں کہ برصغیر میں قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں پر صرف اس لیے ظلم کیا گیا کہ وہ اسلام کے نام لیوا تھے۔" (ص الف) پروفیسر صاحب کے پیش نظر یہ تھا کہ ایک چھوٹی سی کتاب میں "اس عظیم الشان تہذیب، اس کی تاریخ و ثقافت کی، جس کا شاخسانہ پاکستان ہے، ایک ناقابلِ فراموش جھلک نظر آسکے۔" (ص ب)

یہ کتاب دس چھوٹے ابواب میں ۱۴۰۰ سال کی مسلم تہذیب و تاریخ کو پیش کرتی ہے۔ پہلے تین باب تاریخ سندھ پر، چوتھا باب غزنوی سلاطین کے دور پر، پانچواں باب عہدِ سلاطینِ دہلی کے گیارہ فرمانرواؤں پر، چھٹا باب مغلیہ خاندان پر، ساتواں باب علوم اسلامی (قبول نبوت سے مصر و اندلس کی حکومتوں تک) پر، آٹھواں باب عجم کے ان کارناموں پر جو اسلامی عہد میں انجام پائے، نواں باب یورپ میں اندلس کے آثارِ علمیہ پر اور آخری باب فنونِ لطیفہ اور اسلام کے موضوع پر شاملِ کتاب ہیں —

صرف ایک پہلو کی نشاندہی ضروری ہے، وہ یہ کہ پروفیسر صاحب جس طرح اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ میں فرق نہیں کر سکتے۔ اسی طرح وہ فنونِ لطیفہ کی جدید مغربی اصطلاح کے مقابلے میں اسلام کے اصولی تصورات کو نمایاں نہیں کر سکتے۔ اور شاید یہ کام بہت سے لکھنے والوں کے بس کا ہے بھی نہیں۔

صدیقی ٹرسٹ کے پمفلٹ پتہ : صدیقی ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، نسیم پلازا - لسبیلہ چوک - نشتر روڈ کراچی۔

اس تبلیغی وتعلیمی اور فلاحی و اصلاحی ادارے کے شائع کردہ پمفلٹ وقتاً فوقتاً موصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ پمفلٹ مختلف اہلِ علم وقلم کے منتخب مقالات ومضامین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر بہت مفید۔

فی الوقت محض پمفلٹوں کا تعارف کرانے کے بجائے میں اس ادارے کی رپورٹ اور حساب آمد و خرچ کی مدد سے اس کی مختلف خدمات کا اجمالی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ٹرسٹ قرآن، ترجمۂ قرآن اور اسلامی نقطۂ نظر سے اچھے اچھے پمفلٹوں اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجموں کی اشاعت کے علاوہ بعض اہم کتب خرید کر نصف قیمت پر تقسیم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دینی مدارس، طلبہ، شادئ دختران، تعمیر مساجد، دارالمطالعہ کے قیام، تبلیغی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے مالی امداد دیتا ہے۔ ۸۱-۸۰ کے بجٹ کی رُو سے اِن مدات میں دو لاکھ سات ہزار دو سو ۴ ۰ روپے ۵۵ پیسے خرچ ہوئے۔

ادارہ سے ۱۱۰ سستے پمفلٹوں کی فہرست بھی طلب کیجیے اور خرید کر بانٹیے۔ نیز جو تعاون کر سکتے ہوں کیجیے۔

تعلیم القرآن خط وکتابت سکول پتہ : تعلیم القرآن خط وکتابت سکول - پوسٹ بکس نمبر ۱۲۱۷ - محمد نگر لاہور - ۵

ہمارے سامنے متذکرہ اسکول کے ۷ سالہ کام کی روئیداد ہے۔ مختصر رپورٹ یہ ہے کہ خط وکتابت کے ذریعے تعلیم القرآن کے اس ادارے نے سات سال میں ۱۴۱۰۵۰۹ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو مطبوعہ اسباق روانہ کیے ہیں۔ جن میں سے ۵۳۹۷۳ افراد کورس مکمل کر کے سندات حاصل کر چکے ہیں۔ پاکستان کے متعدد جیل خانوں میں اس اسکول کے طلبہ غائبانہ طور سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ اور ہانگ کانگ تک یہ سلسلہ پھیل گیا ہے۔ اسباق اردو وانگریزی میں فراہم کیے جاتے ہیں۔ ہانگ کانگ میں چینی زبان میں ان کا ترجمہ پڑھایا جا رہا ہے۔ پاکستان کے قیدی طلبہ کی تعداد ۲۵۰۴ درج ہے۔ جن میں سے ۷۰۵ کو کورس پاس کرنے پر سزا میں تخفیف ملی ہے۔

حافظ نذر احمد اس نظام کے مدارالمہام ہیں۔ شائقین ان کی طرف رجوع کریں۔

ہمارا دشمن کون ؟ محمد انور قریشی ۔ ناشر انجمن خدامِ اسلام پاکستان ٹاؤن شپ ۔ لاہور ؟ ۔ قیمت درج نہیں

صنم پتھر کے پروفیسر کمال عثمانی ۔ امیر حزب اللہ ۔ توحید روڈ کیماڑی کراچی ۔ ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت حزب اللہ (پتہ مذکور) مفت تقسیم ۔ اس کتاب میں قبر پرستی اور متعلقہ مروجاتِ مشرکانہ کا مدلل بیان ہے ۔

اغلاط العوام فی احکام الاسلام چوہدری محمد سرفراز خان ۔ موضع کالرہ گجرات کلاں ۔ صفحات ۱۵۰ ۔ قیمت درج نہیں ۔

ماہنامہ الرائد عربی رسالہ جو المرکز الاسلامی ، مسجد بلال (آخن) اور اتحاد الطلبہ فی اوربا کی طرف سے ماہانہ شائع ہوتا ہے ۔ اچھے مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے ۔ افتتاحیہ کے علاوہ سوالات کے جوابات بھی شائع ہوتے ہیں ۔ سالانہ چندہ یورپ اور المغرب (عربی) میں ۳۰ مارک ہے ۔ فی پرچہ ۴ مارک ۔

سوئے منزل مرتبہ: رضا فاروقی ۔ پتہ محبوب سبحانی ۔ القریش ۔ فسٹ ایڈ سنٹر ۲/۸ ۱۶۲ عزیز آباد ۔ ٹنیچ بھاٹہ ۔ راولپنڈی ۔ صفحات ۶۴ ۔ قیمت ۲/- روپے

یہ دینی و اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے اور اس کا سلسلۂ اشاعت نمبر ۶ ہے ۔ یعنی اس طرح کے مجموعے مسلسل شائع ہوتے ہیں ۔ مجموعوں کا یہ سلسلہ ادارۂ تعلیماتِ اسلامیہ راولپنڈی کے زیر اہتمام چل رہا ہے ۔

یارانِ وطن اسلام آباد سے نکلنے والا ماہنامہ ۔ ایڈیٹر: ضیا اقبال شاہد ۔ مجلسِ مشاورت: اشفاق احمد، ضیا جالندھری، فتح محمد ملک، پریشان خٹک، کشور ناہید، صلاح الدین محمد، غلام ربانی اگرو، عطا شاد، پاکستان میں فی پرچہ ۵/- روپے ۔ سالانہ ۵۰/- روپے ۔

اس پرچے کا مقصد بیرونِ ملک کام کرنے والے پاکستانیوں کے ساتھ ثقافتی رابطہ قائم رکھنا ہے ۔ ان کے لیے کچھ معلوماتی مواد بھی چھپتا ہے ۔ پرچے میں ادب بہت ہے اور ثقافت اور "بھی بہت" ۔ گانے بجانے مقرر کرنے کے فنونِ لطیفہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے ۔ رنگوں اور ڈیزائننگ کا زور ہے ۔ ان وجوہ سے عام ذہن کے لیے یہ پرچہ بڑا پرکشش ہے ۔ غالباً سرکاری اہتمام سے شائع ہوتا ہے ۔

مجلۃ العلماء ماہانہ رسالہ زیر نگرانی مولینا گلزار احمد مظاہری ، صدر علماء اکیڈیمی ، منصورہ ملتان روڈ ، لاہور ۔ صفحات: ۴۸ ۔ قیمت فی شمارہ ۵/- روپے ۔ اچھے طباعتی معیار کے اس رسالہ میں دینی و اخلاقی افادیت کے مضامین جمع ہیں ۔

پکار یہ اسلامی جمعیت طالبات پاکستان کا رسالہ ہے۔ اسے قوم کی نوخیز بچیاں حرکت انگیز جذبات اسلامی کے ساتھ مرتب کرتی ہیں۔ اور اُن کی کوششیں بہت قابلِ داد ہیں۔ اس کی مدیرہ کوثر فردوس اور نائب زہرا خانم ہیں۔

صفحات: ۴۰ ۔ قیمت: ۲/۵۰ روپے ۔ ملنے کا پتہ: ۱۹۹ ۔ شاد باغ ۔ لاہور۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)